بیاد: حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزی رحمۃ اللہ علیہ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

نقوش اسلام

Issue.NO 5	JULY TO AUG 2024 - جولائی تا اگست ۲۰۲۴	VOL.No.20

مجلس سرپرستان

حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی
حضرت مولانا سعیدالرحمن اعظمی ندوی
حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی
حضرت مولانا ظریف احمد قاسمی ندوی مدنی
حضرت مولانا محمد ہاشم قاسمی

مجلس مشاورت

مولانا محمد اکرم ندوی مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا محمد منذر ندوی مولانا حسن مرچی
مولانا رشید احمد ندوی

مجلس ادارت

مفتی رحمت اللہ ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا نواب عالم ندوی

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA. Cell.09719831058
E.mail : nuqusheislam@gmail.com
masoodazizi94@gmail,com
www. nuqusheislam.com , www. mlfiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ..................۳۰/روپے
سالانہ..................۲۴۰/روپے
خصوصی..................۵۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۵۰ ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 9719831058

منیجر توسیع و اشاعت: قاری محمد صالحین
Mob.09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD MASOOD
PRINTED AT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
مسلمانوں کے کرنے کے کام:	محمد مسعود عزیزی ندوی	
تجزیہ		۵
علماء اور سائنسدانوں کی ذمہ داریاں:	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	
جائزہ		۱۱
جرمنی میں نازیت کا عروج وزوال:	ڈاکٹر عبید الرحمن ندوی	
توضیح		۱۷
نصرت ربانی کب اور کیسے!! :	ڈاکٹر یوسف القرضاویؒ	
اسوہ حسنہ		۲۲
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت وبہادری کے چند نمونے:	مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی	
حقائق		۲۵
قضیہ فلسطین----حقائق اور مضمرات:	مفتی رحمت اللہ ندوی	
مسلمہ حقیقت		۳۰
حقیقی کامیابی کا راز:	ڈاکٹر محمد فرمان ندوی	
اصلاحیات		۳۳
مسلمان اور اخلاق:	ابوعبداللہ ندوی	
حکمت عملی		۳۶
موجودہ دور میں طلبہ کی تربیت:	اشرف علی	
طریقہ تعلیم		۳۸
موجودہ دور میں مدارس اسلامیہ میں طریقہ تعلیم:	ابوامامہ ندوی	
خوشحال معاشرہ		۴۰
موجودہ حالات میں اسلام کی رہنمائی:	محمد ندیم	
تاریخی جائزہ		۴۱
دنیا کی تاریخ میں مسلمانوں کا کردار:	محمد مسعود عزیزی ندوی	
نقطہ نظر		۴۷
ہندوستان میں مدارس کا کردار:	توصیف احمد	
مطبوعات		۴۸
مرکز احیاء الفکر الاسلامی کی شائع شدہ کتابیں		

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز).........	۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// // //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰
صفحہ //		۴۰۰

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۲۴۰/ روپے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جا سکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

مسلمانوں کے کرنے کے کام

محمد مسعود عزیزی ندوی

مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے اوپر کچھ فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو ہمیں دینی، اخلاقی، سماجی، معاشرتی اور اقتصادی محاذ پر ادا کرنی چاہئیں۔ اس تحریر میں ہم ان اہم کاموں پر مختصر روشنی ڈالیں گے جو مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر انجام دینے چاہئیں۔ جیسے دینی فرائض کی پابندی، مثلاً:- پانچ وقت کی نماز، قرآن کریم کی تلاوت اور فہم، روزہ، زکاۃ وصدقات، اور حج کی ادائیگی، ان امور کے بعد کچھ اخلاقی فرائض ہیں، مثلاً:-

۱۔ دیانتداری: دیانتداری اور سچائی زندگی کے ہر پہلو میں اپنائیں، ہمیشہ سچ بولیں اور جھوٹ سے بچیں، امانتوں کی حفاظت کریں۔

۲۔ احترام وعزت: ہر انسان کی عزت نفس کا خیال رکھیں، والدین کی خدمت اوران کا احترام کریں، اساتذہ کی عزت اوران کی تعلیمات کی قدر کریں۔

۳۔ معافی و درگزر: دوسروں کی غلطیوں کو معاف کریں اور دل میں کینہ نہ رکھیں، درگزر کریں اور بدلے کی خواہش نہ رکھیں، جھگڑوں اور تنازعات کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

۴۔ عدل وانصاف: ہر حال میں عدل وانصاف کا دامن تھامے رکھیں، انصاف پسندی سے کام لیں، کسی کی حق تلفی نہ کریں، معاملات میں منصفانہ رویہ اپنائیں۔

۵۔ حسن سلوک: پڑوسیوں، رشتہ داروں اور محتاجوں کے ساتھ حسن سلوک کریں، خدمت خلق کے کاموں میں حصہ لیں، مہمان نوازی کا مظاہرہ کریں۔

کچھ سماجی ومعاشرتی فرائض ہیں مثلاً:-

۱۔ تعلیم حاصل کرنا اور دوسروں کو تعلیم دینا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے، علم حاصل کریں بلکہ ہر ممکن موقع پر علم کے حصول کی کوشش کریں اور تعلیم کے فروغ کے لیے کام کریں۔

۲۔ امن وامان: امن اور سلامتی کے فروغ کے لیے کام کریں، تشدد اور نفرت سے بچیں، امن کی تبلیغ کریں اور اس کی تعلیمات کو عام کریں۔

۳۔ خدمت خلق، سماجی خدمات میں حصہ لیں، یتیموں اور بیواؤں اور ضرورت مندوں کی مدد کریں، رضا کارانہ کاموں میں حصہ لیں۔

۴۔ ماحولیاتی تحفظ: ماحول کی حفاظت کریں، پانی کو ضائع نہ کریں، درخت لگائیں اور جنگلات کی حفاظت کریں۔

۵۔ قومی ترقی، ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں، محنت اور دیانتداری سے کام کریں، ملکی قوانین کا احترام کریں۔

کچھ اقتصادی فرائض ہیں، مثلاً:-

۱۔ حلال روزی: حلال ذرائع سے روزی کمائیں، حرام ذرائع کی کمائی سے بچیں، دوسروں کے حقوق کا خیال رکھیں۔

۲۔ معاشی انصاف: تجارت اور کاروبار میں انصاف کا خیال رکھیں، قیمتوں میں دھوکہ نہ دیں، وزن پورا تولیں۔

۳۔ بچت وخرچ: فضول خرچی سے بچیں اور بچت کریں، پیسہ عقل مندی سے خرچ کریں۔

۴۔ سرمایہ کاری: بہتر مستقبل کے لیے جائز سرمایہ کاری کریں، جائز اور حلال کاروبار میں سرمایہ کاری کریں، مالی منصوبہ بندی کریں۔

۵۔ قرض کی ادائیگی: اگر کسی سے قرض لیا ہو تو وقت پر واپس کریں، قرض نہ چکانا اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔

یہ ایک مختصر رہنما تحریر ہے جو مسلمانوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔ بلاشبہ اس تحریر میں پیش کردہ فرائض اور ذمہ داریوں پر عمل کر کے ہم نہ صرف ایک بہترین مسلمان بن سکتے ہیں بلکہ ایک اچھے انسان اور معاشرے کا فعال رکن بھی بن سکتے ہیں اور ہمارے طور طریق اور اخلاق و کردار سے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆

تجزیہ

علمائے کرام اور سائنسدانوں کی ذمہ داریاں

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

تاریخِ اُمت مسلمہ کو اگر دیکھا جائے تو بہت سے فکری اور نظریاتی فرقے بنے ہیں جن سے اُمت میں افتراق و انتشار پیدا ہوا ہے۔ اگر ان فرقوں کے بننے کے عوامل پر گور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان فرقوں کے بننے کی بنیادی وجہ قرآن وحدیث کی من مانی تشریح ہے۔ قرآنِ پاک کے معنی کے لیے جو شرائط و آداب ہیں اُن سے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کے لیے پندرہ علومِ دینیہ میں مہارت اور دسترس حاصل کرنا ضروری ہے اور ان میں سب سے اہم علمِ وہبی ہے جو حق سبحانہ تقدس کا عَطِیّہ خاص ہے۔ جو وہ اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ یعنی تھوڑی عربی جان لینے یا اردو ترجمے دیکھ کر اگر کوئی اپنی رائے داخل کرے گا تو یہ سراسر گمراہی ہوگی۔ اگر ماضی قریب کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان فتنوں کو پیدا کرنے والوں میں بعضے پروفیسر، ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان اور ایسے نام نہاد عصری علوم و جامعات کے محققین شامل تھے جنہوں نے اسلاف کی رائے سے ہٹ کر تحقیق کی آڑ میں شریعت کی من چاہی تشریح عوام کے سامنے پیش کی اور عوام کی ایک بڑی تعداد ان کی وجہ سے گمراہ ہوگئی اور یہ گمراہی پھیلانے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ تمام پروفیسر، ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان اور محققین حضرات ہی گمراہ ہو گئے ہیں لہٰذا یہ قطعاً مناسب نہیں کہ ہم عمومی طور پر ان تمام حضرات پر ہی گمراہی کا لیبل چسپا کر دیں۔

ماضی بَعید میں مسلمان سائنسدانوں میں ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی، فخر الدین رازی، ابونصر محمد بن محمد فارابی، ابن سینا، محمد بن موسیٰ خوارزمی، امام غزالی اور ابن خلدون جیسے قابلِ ذکر نام ہمیں نظر آتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر سائنسدان طب، فلکیات، طبیعات، کیمیا، فلسفہ، علم الکائنات (کونیات)، مابعد الطبیعات، منطق، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ سائنسی علوم کے ماہر تھے اور ان میں سے کچھ کی دینی حیثیت بھی مُسَلَّم تھی جن میں امام غزالی کا نام قابلِ ذکر ہے؛ جب کہ ماضی قریب میں ہمیں بے تحاشہ قابلِ ذکر مسلمان سائنسدان، ڈاکٹر، انجینئر اور محققین عالمی افق پر نظر آجائیں گے جنہوں نے اپنے متعلقہ شعبے اور سائنس کی دنیا میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

نیز اُمت مسلمہ میں بعض اِستثنائی مثالیں موجود ہیں جن میں بعض ڈاکٹر، محققین، انجینئر اور سائنسدانوں ہی کو اللہ پاک نے اتنی قبولیت سی نوازا کہ جنہوں نے پہلے علمائے کرام، مفتیانِ کرام اور مشائخ کی صحبت اٹھائی اور پھر انہی حضرات سے اللہ پاک نے اتنا کام لیا کہ وقت کے بڑے بڑے علمائے کرام نے ان سے فیض حاصل کیا، مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کئی خلفاء دنیاوی شعبوں سے وابستہ تھے اور دینی اور دنیاوی شعبوں کا حسین امتزاج تھے؛ مگر ان مثالوں سے ہم عمومی طور پر یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے اور نہ ہی کرنا چاہیے کہ دین کی تشریح انجینئر، پروفیسر، محققین اور سائنسدانوں کے ذمہ ہے اور نہ ہی عمومی سطح پر

اس کا اطلاق کرنا چاہیے کہ ایسی پالیساں مرتب کی جائیں کہ آگے آنے والی نسلوں میں یہ اِستِثنائی مثالیں عموم اختیار کرلیں۔

ہمارے ملکِ عزیز میں الٹی گنگا بہہ رہی ہے یعنی جوانجینئر، پروفیسر، محققین اور سائنسدان حضرات ہیں، بجائے اس کے کہ وہ عالمی سائنسی تحقیق میں اپنا نام روشن کریں اور اپنے سائنسی شعبے میں مہارت حاصل کرکے پوری دنیا میں اپنالوہا منوائیں اور امت کو درپیش جدید مسائل کا متبادل سائنسی حل پیش کریں، وہ اپنی ذمہ داریاں تو تندہی سے انجام نہیں دے رہے؛ بلکہ ان ہی میں سے بعض انجینئر، پروفیسر، محققین اور سائنسدان حضرات دینی مسائل میں اپنی رائے زنی شروع کردیتے ہیں۔یعنی آپ کوان میں بہت سے ایسے ملیں گے جن کواُن کے اپنے سائنسی شعبے میں تومہارت حاصل نہیں اور وہ دینی مسائل میں عوامی سطح پر فتویٰ دینے شروع کر دیتے ہیں اور اپنے آپ کو دینی اتھارٹی گردانا شروع کردیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط روش ہے اور تاریخ اُمتِ مسلمہ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جواُمت میں گمراہی پھیلی وہ اسی روشن خیالوں سے پھیلی اور انہی لوگوں کی دینی کم علمی، کم فہمی اور تکبر سے اُمت نے بڑے بڑے فتنے دیکھے۔

دیکھیے اگرکوئی انجینئر، پروفیسر، محقق اور سائنسدان کسی خاص شعبے کا ماہر ہے اور اس شعبے سے متعلق شرعی حکم معلوم کرنا ہے تو وہ انجینئر، پروفیسر، محقق اور سائنسدان اس شعبے کی مستند تکنیکی تفصیلات مستند دارالافتاء اور حضرات مفتیانِ کرام کی خدمت میں پیش کرے گا اور پھر یہ حضرات مفتیانِ کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلہ سے متعلق شرعی حکم بیان فرمائیں یعنی جواز اور عدم جواز کا فیصلہ فرمائیں۔ یہاں ایک بات ضرور ذہن میں رہے کہ مفتیانِ کرام فرماتے ہیں کہ کسی عام شخص کو اپنی صوابدید پر جواز اور عدم جواز بیان کرنے کا حق نہیں؛ لیکن ایک عام آدمی کو مفتی کی طرف سے جواز اور عدم جواز کی حکایت بیان کرنے کا حق ہے، خاص طور پر جب وہ شخص کسی سائنسی شعبے کا ماہر ہو اور اُس کو اس سائنسی ٹیکنالوجی کی معلومات ہو۔ مثلاً کوئی انجینئر، پروفیسر، محقق اور سائنسدان اپنی طرف سے تحقیق کرکے یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ کون سی چیز جائز ہے اور کون سی ناجائز البتہ یہ انجینئر، پروفیسر، محقق اور سائنسدان، حضرات مفتیانِ کرام سے پوچھ کر اس مسئلہ کے حکم کی حکایت کرسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی انجینئر، پروفیسر، محقق اور سائنسدان کا قطعاً یہ کام نہیں کہ وہ خود فتویٰ دینا شروع کردے اور کسی چیز کی شرعی حیثیت کی وضاحت میں رائے زنی شروع کر دے، اگر وہ ایسا کریں گے تو اپنے دائرہ کار سے تجاوز کریں گے اور اُن کا یہ عمل شرعی طور پر معتبر نہ ہوگا۔ حضرات علمائے کرام یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ پروفیسروں، انجینئروں، ڈاکٹروں، اور سائنسدانوں سے دینی مسائل نہ پوچھے جائیں؛ کیونکہ اُن میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ وہ صحیح دینی مسائل میں اُمت کی رہنمائی کرسکیں۔

دیکھیے ہمیں کچھ بنیادی سوالات کے جوابات واضح طور پر معلوم ہونے چاہئیں۔ مثلاً، کیا شریعت میں مفتی کے علاوہ بھی کوئی شرعی مسائل کا استخراج کرسکتا ہے; قرآن وسنت سے مسائل نکال سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! کیا مفتی کے علاوہ بھی کسی کے پاس اتنا علمی رسوخ ہوتا ہے کہ وہ شریعت کے مسائل میں اتھارٹی ہو؟ اس کا جواب بھی نفی ہے۔ اس بات کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب بھی ہمیں شریعت سے متعلق کوئی حکم جاننا ہوگا ہم مستند مفتیانِ کرام سے رجوع کریں گے اور انہی سے پوچھے گئے مسائل کی روشنی میں عمل کریں گے۔

مستند مدارسِ دینیہ میں دارالافتاء میں جدید مسائل میں

مختلف موضوعات پر ٹھوس شرعی تحقیق ہوتی ہے۔ ٹھوس شرعی تحقیق سے مراد یہ ہے کہ موضوع کے ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے، سائنسی مسئلہ کی ماہیت پر غور کیا جاتا ہے، شرعی تکییف کی جاتی ہے اور پھر کافی غور وخوض اور تحقیق کے بعد اس مسئلہ کا شرعی حکم بنایا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ قرآنِ پاک کی تفسیر ہو یا شریعت کے احکامات، احادیثِ احکام سے مسائل کا استنباط ہو یا مختلف احادیث تطبیق، عوام کو مسائل کا حکم شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے بتانا ہو یا دینی علوم میں غور وتدبر، یہ سب کام حضرات علمائے کرام کی ذمہ داریوں میں سے ہیں اور انہی پر جچتے ہیں کہ وہ اس موضوع کے ماہر ہیں۔ اب اس کے برعکس صورتِ حال پر غور فرمایئے۔ کچھ مدارسِ دینیہ میں بعض صاحبانِ علم یہ ذہن سازی کر رہے ہیں کہ آپ خود ہی سائنسی مضمون کے ماہر بن جائیں، خود ہی سائنسی موضوع پر تحقیق کریں، اس پر سائنسی مقالے چھاپیں اور پھر اس سائنسی موضوع پر شرعی حکم بتائیں۔ یہ بھی غلط سوچ ہے کہ فتویٰ کی بنیاد سائنسی موضوع کے ماہرین سے رجوع کیے بغیر ہی رکھی جائے اور دینی علوم کے ماہرین کو دوسرے علوم میں مہارت کا مکلف بنا کر دوہرا بوجھ ڈالا جائے اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس سے معاشرہ میں جدید مسائل کے حوالے سے تشکیک پیدا ہو جاتی ہے اور علمائے کرام کی رائے میں اختلاف کی بنیاد پڑتی ہے؛ کیونکہ ایسے علمائے کرام کی سائنسی بنیاد ہی مضبوط نہیں ہوگی۔ الحمد اللہ بیشتر مدارسِ دینیہ اور مفتیانِ کرام اس ذہن سازی سے متاثر نہیں ہوئے ہیں؛ بلکہ راقم نے خود کئی بڑے مستند مدارس اور جدید ی مفتیانِ کرام کے عمل کا مشاہدہ کیا، یہ تمام حضرات الحمد اللہ سائنسی شعبے کے ماہرین سے سائنسی مسئلہ کی تکنیکی ماہیت سمجھتے ہیں اور پھر جدید مسائل کا حل امت کو پیش کرتے ہیں۔

آجکل نوجوان علمائے کرام کی ایک ذہن سازی یہ کی جارہی ہے کہ مسائل کا متبادل حل دینا علمائے کرام کی لازمی ذمہ داری ہے۔ دیکھیے اس میں تو دورائے نہیں کہ متبادل ہونا چاہیے اور بتانا بھی چاہیے اور بعض جید مفتیانِ کرام مسائل کا جواب دیتے وقت متبادل بھی بتا دیتے ہیں اور سائل کو نصیحت بھی فرمادیا کرتے ہیں اور ان حضرات میں ہمارے محدث العصر حضرت مولانا سید یوسف بنوری قدس سرہ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی محمد تقی عثانی مدظلہ قابلِ ذکر ہیں؛ مگر متبادل حل دینے کی آڑ میں ناجائز کو جائز تو قرار نہیں دیا جاسکتا۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ متبادل نصوص کے احکامات کے ذیل میں ہونا چاہیے۔ یعنی مثلاً شراب حرام ہے، زنا حرام ہے، سود حرام ہے تو کیا مسلمان مفتیانِ کرام کے ذمہ فرض ہے کہ وہ زنا، شراب اور سود کا متبادل دیں؟ بھئی متبادل تو شریعت نے پہلے ہی بتا دیا ہے۔ مثلاً زنا کا متبادل نکاح ہے، شراب کا متبادل دودھ یا کسی پھل کا جوس ہے اور سود کا متبادل کاروبار ہے؛ مگر متبادل ڈھونڈتے یہ کہنا کہ نہیں ہمیں ہر حال میں متبادل دینا ہے اور شریعت کے اُصولوں کو بالائے طاق رکھنا ہے کسی طرح مناسب نہیں۔ مثلاً سود کا متبادل دیتے وقت سود ہی کی نئی شکل کو جائز قرار دینا کسی صورت قابلِ قبول نہ ہوگا۔ شراب کا متبادل دیتے وقت کسی نئی قسم کی شراب ہی کو جائز قرار دے دینا کسی طرح قابلِ قبول نہ ہوگا۔ آپ ہی انصاف فرمایئے کہ کیا اس طرح کے متبادل قابلِ قبول ہوں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں! لہٰذا متبادل کی تلاش میں مسلمان مفتیانِ کرام پر ہرگز یہ لازم نہیں کہ وہ زبردستی حرام اور ناجائز چیزوں کو جائز وحلال بتائیں۔

اسی تناظر میں ذیل کی اقتباسات بہت اہم ہیں۔

''بہر حال ہمارے ملک میں بڑی ضرورت ہے کہ فقہ

اسلامی کی جدید تدوین کے ذریعہ جو قرآن وسنت اور حضرت حق جل ذکرہ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منشا کے مطابق صالحین کے موروثہ اثاثہ کی روشنی میں کی جائے، جدید پیدا شدہ مسائل کا حل تلاش کر کے فیصلہ کر دینا چاہیے؛ تاکہ دین اسلام کا مضبوط اور حسین وجمیل قلعہ قیامت تک اعداء اور اغیار کے حملوں سے محفوظ رہے، مشکل سب سے بڑی یہ ہے کہ ہم یورپ کے جدید معاشی واقتصادی نظام اور معاشرتی نظام کو پہلے ہی اپنا لیتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ جوں کا توں یہ پورا نظام اسلام کے اندر فٹ ہو جائے، یہ کیسے ممکن ہے؟'' (دینی مدارس کی ضرورت اور جدید تقاضوں کے مطابق نصاب ونظام تعلیم، انتخاب از مقالات محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ، جمع وترتیب محمد انور بدخشانی صاحب، ص ۱۴۲)

''فقہاء کرام نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے اہلِ زمانہ سے واقف نہ ہو (یعنی اہل زمانہ کے طرز زندگی، ان کی معاشرت، ان کے معاشی معاملات اور ان کے مزاج ومذاق سے واقف نہ ہو) تو وہ جاہل ہے۔ ایک عالم کے لیے جس طرح قرآن وسنت کے احکام سے واقف ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کے لیے زمانہ کے ''عرف'' اور زمانہ کے حالات سے واقف ہونا بھی ضروری ہے اس کے بغیر شرعی مسائل میں صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت امام محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں یہ بات وضاحت کے ساتھ ملتی ہے کہ فقہ کی تدوین کے دوران وہ باقاعدہ بازاروں میں جا کر تاجروں کے پاس بیٹھتے اور ان کے معاملات کو سمجھتے تھے اور یہ دیکھا کرتے تھے کہ کون سے طریقے بازار میں رائج ہیں، ظاہر ہے کہ ان کا مقصد خود تجارت کرنا نہیں تھا، وہ صرف یہ جاننے کے لیے ان تاجروں کے پاس بیٹھتے تھے کہ ان کے کیا طریقے ہیں؟ اور ان کے درمیان آپس میں کیا عرف رائج ہے؟ اس لیے کہ ان چیزوں سے واقفیت ایک عالم اور بالخصوص ایک فقیہ اور مفتی کے فرائض میں داخل ہے کہ جب اس کے بارے میں اس کے پاس سوال آئے تو وہ اس سوال کے پسِ منظر سے اچھی طرح واقف ہو، اس کے بغیر صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکتا؛ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ جب کسی علاقے یا معاشرہ میں ناجائز کاروبار کی کثرت ہو تو چونکہ عالم اور مفتی صرف فتویٰ جاری کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک داعی بھی ہوتا ہے؛ اس لیے اس کا کام اس حد پر جا کر ختم نہیں ہو جاتا کہ وہ صرف اتنا کہہ دے کہ فلاں کام ناجائز اور حرام ہے؛ بلکہ بحیثیتِ داعی اس کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کام کو ناجائز اور حرام کہنے کے بعد یہ بھی بتائے کہ اس کا متبادل حلال طریقہ کیا ہے؟ وہ متبادل قابلِ عمل بھی ہونا چاہیے اور شریعت کے احکام کے مطابق بھی۔ (حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ادارۃ المعارف، کراچی)

متبادل دینے کی آڑ میں بعض صاحبانِ علم خَلَطِ مُبحث کر چکے ہیں۔ دیکھیے متبادل کی ایک بڑی وسیع تعریف ہو سکتی ہے۔ اگر شرعی تکییف کر کے یہ بتا دیا جائے کہ سُود حرام ہے اور آپ سُود سے بچیں، تو یہ حکم بتانے کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر یہ بتا دیا جائے کہ آپ سود کے بدلہ تجارت کر لیں تو یہ متبادل دینا کہلائے گا؛ لیکن اگر متبادل دینے سے مُراد مسائلِ جدیدہ میں یہ ہے کہ حضرات علمائے کرام اپنے دائرہ کار سے ہی باہر نکل کر کام کریں تو یہ ہرگز مناسب نہ ہوگا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ فرض کریں کہ ایک دوائی ہے جس کو بنانے میں خنزیر یعنی سور کے خلیے استعمال کیے گئے ہیں۔ اب اس کا حکم بتاتے وقت یہ کہا جائے گا کہ اس کو استعمال کرنا منع ہے تو یہ حکم بتانے کے زمرے میں آئے گا، جیسا کہ درج ذیل ہے۔

''کسی بھی حرام چیز کو بطورِ دوا استعمال کرنا بھی حرام ہے، الا یہ کہ بیماری مہلک یا ناقابلِ برداشت ہو اور مسلمان ماہر دین دار

طبیب یہ کہہ دے کہ اس بیماری کا علاج کسی بھی حلال چیز سے ممکن نہیں ہے اور یہ یقین ہو جائے کہ شفا حرام چیز میں ہی منحصر ہے اور کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو مجبوراً بطورِ دوا و علاج بقدرِ ضرورت حرام اشیاء کے استعمال کی گنجائش ہوتی ہے ورنہ نہیں۔'' (فتویٰ نمبر:144110200078 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن)

پھر اس کا متبادل دے دیا جائے کہ آپ اس حرام اجزاء والی دوائی کے بجائے فلاں حلال اجزاء والی دوائی استعمال کر لیجیے تو یہ بات بھی عقل میں آتی ہے؛ مگر یہ مفتیانِ کرام کا دائرہ کار نہیں کہ وہ ہر دوائی سے متعلق تحقیق کریں کہ فلاں کا متبادل کیا ہے؟ یہ سائل ہی کی ذمہ ہے کہ وہ حضرات مفتیانِ کرام سے پوچھ پوچھ کر مسلمان ماہر دین دار طبیب سے پوچھ کر متبادل تلاش کرے۔ مسئلہ تب شروع ہوتا ہے کہ جب نوجوان مفتیانِ کرام کی ذہن سازی کی جائے اور ان کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ آپ خود تحقیق کیجیے اور جدید طبی علوم سیکھیے اور پھر سیکھ کر اس حرام اجزاء والی دوا کا متبادل دیجیے۔ یعنی نوجوان مفتیانِ کرام بذاتِ خود ایم بی بی ایس MBBS کریں، پھر ایم ڈی M.D. کریں اور پھر کلینیکل پریکٹس کریں اور طبی دواؤں پر لیبارٹری میں تحقیق کریں اور پھر حرام اجزاء والی دوائی کا متبادل دیں۔ یعنی مدارسِ دینیہ کے اندر طب کی تحقیق سے متعلق شعبے قائم ہوں جس کے اندر اس مسئلے پر تحقیق کی جائے اور امت کو نئی دوا بنا کر اس حرام اجزاء والی دوا کا متبادل پیش کیا جائے جو کہ امت کی ضرورت کا حل ہو۔ ہماری گزارش ہوگی کہ یہ مسلمان علمائے کرام اور مدارس کی قطعاً ذمہ داری نہیں کہ وہ اس طرح کی تحقیق کریں؛ بلکہ یہ تو ان کے دائرہ کار ہی میں نہیں آتا اور جو صاحبانِ علم اس طریقے کی ذہن سازی کر رہے ہیں، ان کو خَلْطِ مَبْحَث ہو چکا ہے۔ اس میں تو کوئی دو رائے نہیں کہ امت ِمسلمہ کو اس حرام اجزاء والی دوا کا متبادل ملنا چاہیے؛ مگر یہ ذمہ داری کس کی ہے، اس کا تعین ضروری ہے۔ سب سے پہلے تو یہ مسلمان حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کا اہتمام کرے کہ مسلمانوں کے لیے حلال اجزاء والی دوائیاں ملک میں درآمد کریں اور عالمی دوا ساز کمپنیوں سے گفت و شنید کریں تاکہ عالمی دوا ساز کمپنیاں مسلمان ممالک میں حلال اجزاء والی دوائیاں ہی بھیجیں۔ اس کے لئے مسلمان ممالک او آئی سی کا فورم بھی متحرک کر سکتے ہیں۔ نیز ملک کے اندر حکومتی حلال کمیٹیوں کے ذریعہ بھی اس کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ اصولی طور پر تو مسلمان ممالک کو سائنس میں اتنی ترقی کرنی چاہیے کہ وہ خود ایسی دوائیاں ملک کے اندر بنائیں اور یہ مسلمان سائنسدانوں اور محققین کا کام ہے کہ وہ ایسی سائنسی تحقیق کریں جس سے امت کی ضرورت پوری کی جا سکے اور متبادل حل پیش کرنا مسلمان سائنسدانوں اور اس متعلقہ شعبے کے ماہرین کی ہی ذمہ داری ہے۔

متبادل حلال طریقہ بتاتے وقت علمائے کرام کا دائرہ کار کیا ہوگا؟ اس کو ایک اور مثال سے سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ علمائے کرام کو معاملات کی خبر ہونی چاہیے؛ مگر اس سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے کہ وہ خود ہی ماہر بن جائیں۔ نیز اتنی استعداد حضرات مفتیانِ کرام میں ہونی چاہیے کہ وہ زیرِ نظر مسئلہ کی باریکیوں کو بھی سمجھ سکیں؛ تاکہ مسئلہ کی شرعی تکییف میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ مثلاً اگر ایک سوال دارالافتاء میں آیا کہ یوٹیوب کے اشتہارات سے ہونے والی کمائی کا کیا حکم ہے؟ تو اس سوال کے جواب میں تحقیق اور مشاہدے کے بعد حضرات مفتیانِ کرام یوٹیوب کے اشتہارات سے ہونے والی کمائی سے اجتناب کا فتویٰ دیتے ہے۔

یوٹیوب کے اشتہارات سے ہونے والی کمائی کے سوال کا جواب بتاتے وقت مفتیانِ کرام نے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ سب

سے پہلے وہ کمپیوٹر سائنس کے ماہرین سے رجوع کر کے سمجھیں گے کہ یوٹیوب پر اشتہار کس طریقہ سے کام کرتے ہیں، ان اشتہار پر کس کا کنٹرول ہوتا ہے، یوٹیوب پر جب کوئی مونیٹائیزیشن (اشتہار وغیرہ سے پیسے کمانا) شروع کرے گا تو اس میں کن کن عوامل کی بنیاد پر اشتہار چلیں گے، جیسے جغرافیائی محل وقوع، سرچنگ ہسٹری وغیرہ۔ نیز جب یوٹیوب پر کوئی اکاؤنٹ کھول رہا ہے تو وہ کیا معاہدہ کر رہا ہے؟ اس میں کون کون سی بنیادی شقیں ہیں جن کو صارف نے قبول کیا ہے۔ پھر مفتیانِ کرام مختلف قسم کے اشتہارات کی اقسام کو دیکھیں گے۔ پھر جب کمپیوٹر سائنس کے ماہرین سے رجوع کرنے کے بعد، تحقیق اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ویڈیو بنانے والے کو اس بات کا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنی مرضی کے اشتہار چلانے پر یوٹیوب کو پابند کرے اور اکثر اوقات یہ اشتہار غیر شرعی چیزوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان اشتہارات کئی مفاسد ہوتے ہیں جیسے میوزک، نامحرم کی تصاویر، اور جاندار کی تصاویر وغیرہ۔ تو ان تمام باتوں کا احاطہ کرنے کے بعد مفتیانِ کرام یوٹیوب کے اشتہارات سے ہونے والی کمائی کا حکم بتائیں گے جو کہ اس سے اجتناب کا ہے۔

اب جب حلال متبادل حل دینے کی بات آئی تو حضرات مفتیانِ کرام یہ کہیں گے کہ سائل کے ذمہ لازم نہیں ہے کہ یوٹیوب کے ذریعہ ہی اشتہارات سے کمائی کرے، سائل کو چاہیے کہ وہ کسی اور حلال طریقہ کاروبار سے کمائی کر لے۔ کوئی بھی مفتیانِ کرام سے یہ توقع نہیں رکھے گا کہ پہلے وہ کمپیوٹر سائنس میں ''ماسٹرز'' اور ''پی ایچ، ڈی'' کریں، پھر کئی سال کمپیوٹر سائنس میں عالمی معیار کی تحقیق کریں اور پھر اس مسئلہ کا جواب دیں۔ نیز کوئی بھی مفتیانِ کرام سے یہ توقع نہیں رکھے گا کہ خود مفتیانِ کرام ہی یوٹیوب کا متبادل دیں یعنی یوٹیوب سے ملتا جلتا اسٹریمنگ پلیٹ فارم بنائیں جس میں نہ میوزک ہو، نہ نامحرم کی تصاویر ہوں، نہ جاندار کی تصاویر ہو اور نہ ہی کوئی دوسرا شرعی محظور ہو؛ بلکہ اگر کوئی مفتی صاحب ایسا کریں گے تو وہ اپنے دائرۂ کار اور حدود سے تجاوز کریں گے؛ کیونکہ یوٹیوب کا متبادل حل دینا، کمپیوٹر سائنسدانوں کے دائرۂ کار میں آتا ہے اور یہ اسلامی حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ متعلقہ محکموں کے ذریعے سے یوٹیوب جیسا متبادل پلیٹ فارمز کا اجراء کریں جن میں شرعی قباحتیں موجود نہ ہوں۔

جس طریقے سے اگر کوئی سائنسدان، محقق، پروفیسر اور انجینئر اپنے شعبے کے دائرہ کار سے نکلے گا اور اپنے شعبے سے نکل کر شریعت کی باتوں میں دخل دے گا، قرآن وحدیث کی من مانی تشریح کرے گا اور خود ہی فقہی احکامات نکالنے شروع کرے گا تو اس سے گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ بعینہٖ اگر نوجوان مفتیانِ کرام تحقیق کے نام پر خود ہی سائنسدان، محقق، انجینئر اور پروفیسر بن جائیں گے اور سائنس کے شعبے میں رائے زنی کریں گے تو اس کو کس چیز سے تعبیر کیا جائے گا؟

خلاصہ یہ کہ علمائے کرام اور سائنسدانوں کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے کام کریں اور اپنے فرائضِ منصبی نبھائیں یعنی جو ذمہ داریاں حضرات علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کی ہیں، وہ اُن پر کاربند رہیں اور جو سائنسدانوں، محققین، پروفیسر اور انجینئر حضرات کی ذمہ داریاں ہیں، وہ اُن ذمہ داریوں کو پوری تندہی کے ساتھ انجام دیں۔ اسی سے معاشرہ اِفراط و تفریط سے بچا رہے گا اور ترقی کرے گا۔ اگر علمائے کرام اور سائنسدان اپنے اپنے دائرۂ کار سے تجاوز کریں گے تو اسی سے معاشرہ میں ابتری پھیلے گی اور خَلْطِ مَبْحث پیدا ہوگا۔ اللہ پاک ہر قسم کے فتنوں سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائیں! آمین۔

☆☆☆☆☆☆

جائزہ

جرمنی میں نازیت کا عروج وزوال

ڈاکٹر عبید الرحمن ندوی، استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی کو ایک اقتصادی بحران سے دوچار ہونا پڑا۔ جرمنی میں بدامنی کا دور دورہ تھا۔ لاقانونیت کا ظہور ہوا اور بہت سے مقامات پر بغاوتیں بھی ہوئیں۔ کمزور حکومت حالات پر قابو نہ پا سکی۔ جرمنی کے حکمراں قیصر ولیم یازدہم کو استعفی دینے کے لیے مجبور ہونا پڑا اور اسے اپنی جان بچانے کے لیے ۱۰/نومبر ۱۹۱۶ء کو ہالینڈ میں پناہ لینی پڑی۔ کمیونسٹوں نے زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی لیکن وہ بری طرح ناکام رہے۔ ۱۹/جنوری ۱۹۱۹ء کو جرمنی کا ایک نیا آئین بنانے کے لیے قانون ساز اسمبلی کی تشکیل ہوئی۔ ''Weimer Constitution'' سے موسوم نیا آئین ۱۰/اگست ۱۹۱۹ء کو متعارف ہوا۔ اس نے جرمنی میں ایک جمہوری ریاست تشکیل دی۔ نئی جمہوری ریاست کو متعدد مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ان مسائل کو حل نہ کر سکی اور اس کی ناکامی سے جرمنی میں اڈولف ہٹلر کی قیادت میں تاناشاہی (یا نازیت) کو بڑھنے کا موقع ملا۔

نازیت کے بڑھنے کا سبب

درج ذیل اسباب نے جرمنی میں ہٹلر اور نازی جماعت کو پنپنے کا موقع فراہم کیا:

۱۔ ورسیلس کی ذلت آمیز صلح:

جرمنی ورسیلس کی صلح کے لیے مجبور ہوئی جس سے اسے بھاری جنگی تاوان ادا کرنا پڑا۔ یہ صلح بہت سخت اور ذلت آمیز تھی۔ اس نے جرمنی کے لوگوں میں بے اطمینانی کا احساس پیدا کر دیا۔ انہوں نے ''Weimer Republic'' کو حقارت کی نظر سے دیکھا جس نے اس توہین آمیز صلح پر دستخط کی تھی۔ اس جمہوریت کو قومی توہین کی علامت کے طور پر دیکھا گیا۔ جرمنی اپنا قدیم وقار بحال کرنا چاہتی تھی۔ جب ہٹلر نے جرمنی کے لوگوں سے پرانے وقار کی بحالی کی یقین دہانی کرائی تو وہ اس کے پیروکار بن گئے۔

۲۔ اقتصادی بحران:

جرمنی کو پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک اقتصادی بحران سے دوچار ہونا پڑا۔ اسے پہلی جنگ عظیم میں بھاری جان ومال کا نقصان ہوا۔ جنگ کے بعد بہت سے سپاہی بے روزگار ہو گئے۔ کاروبار اور تجارت بھی تباہ ہوئی۔ ملازمین ملازمت سے ہٹا دیے گئے۔ بہرحال ۱۹۲۹ء میں یورپ میں ایک عظیم کساد بازاری ہوئی۔ اس سے جرمنی بھی متاثر ہوا۔ جرمنی بے روزگاری اور فاقہ کشی کی گرفت میں تھا۔ قیمتیں بڑھ گئیں اور روپے کی قیمت گھٹ گئی۔ یہ جمہوریت اقتصادی بحران کو حل کرنے میں ناکام ہو گئی۔ ہٹلر نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا۔ جرمنی کے لوگوں کو ہٹلر اور اس کے وعدوں پر یقین تھا۔

۳۔ کمیونزم کا پھیلاؤ:

۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب سے متاثر ہو کر جرمن سماج نے بھی

جرمنی میں انقلاب لانے کی کوشش کی۔ ہٹلر کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر یہاں کمیونزم پھیلا تو جرمنی روس کا غلام بن جائے گا۔ اس نے کمیونزم کے تباہ کن نتائج اپنے لوگوں کے سامنے آشکار کئے۔ اس نے لوگوں میں قومی احساس بیدار کیا اور کمیونزم کے خلاف انہیں برانگیختہ کیا۔ نتیجتاً ملازمین اور جمہور نے بڑی تعداد میں نازی جماعت میں شمولیت اختیار کی۔

۴۔ جرمنی کو جمہوریت میں یقین نہیں تھا:

جرمنی کے لوگوں کو جمہوریت میں یقین نہیں تھا۔ جمہوریت ان کی ثقافت اور روایات کے خلاف تھی۔ وہ جمہوری دستور کو سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے سے قاصر تھے۔ انہوں نے حریت اور آزادی کے مقابلے میں وقار اور ناموری کو ترجیح دی۔ انہوں نے فوراً پورے دل سے ہٹلر جیسے مضبوط شخص کی حمایت کی جو ان کے خوابوں کو حقیقت میں بدل سکتا تھا۔ چنانچہ جرمنی کے لوگوں کی ذہنیت ہٹلر کو ایک تاناشاہ بنانے میں معاون ثابت ہوئی۔

۵۔ جماعتی نزاع کا بہتر استعمال:

جرمنی میں کئی سیاسی جماعتیں تھیں۔ Social Democrats، Nationlists، Royalists اور کمیونسٹ اہم جماعتیں تھیں۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۳ء کا وقفہ جرمنی جمہوریت کی تاریخ میں جماعتی نزاع کا وقفہ تھا جب ہر پارٹی طاقت کے حصول میں کوشاں تھی۔ اس نے جمہوریت کو کمزور کیا اور نازیوں کو طاقت چھیننے کا اچھا موقع ملا۔

۶۔ ہٹلر کی شخصیت:

ہٹلر ایک بہت موثر اور پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ وہ ایک اول درجے کا مقرر تھا۔ وہ وسائل سے پر شخص، ایک نہ تھکنے والا کارکن اور ایک قابل منتظم تھا۔ اس کی تقریریں بہت اثر انگیز ہوتی تھیں اور ان میں عظیم منطقی دلائل ہوا کرتے تھے۔ فطری طور پر لوگوں نے قائد میں بھروسہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ قول بالکل درست ہے: ''بے شک وہ پروپیگنڈے کا ماہر استاد تھا''۔

۷۔ رضاکار فوجی:

ویرا سیلس کی صلح میں جرمنی کے فوج میں عظیم تخفیف کی گئی تھی۔ بہت سے سپاہی بے کار اور بے روزگار ہو گئے تھے۔ ہٹلر نے ان سپاہیوں کی مدد سے رضاکار فوج کی تنظیم کی۔ ہٹلر نے مخالف جماعتوں کو اس رضاکار فوج کی مدد سے کچل دیا اور بعد میں ان کی مدد سے اپنی پارٹی کو عظیم انداز میں منظم اور مضبوط کیا۔

نازیت (یا فسطائیت) کے اہم خدوخال:

نازیت کے اہم خدوخال تھے:

۱۔ ریاست سب سے مقدم ہے۔ تمام طاقتیں ریاست کے پاس ہونی چاہئیں اور اس کی پکڑ تمام سیاسی، سماجی اور اقتصادی پروگراموں پر ہونی چاہیے۔ یہ اعتقاد تھا کہ: ''عوام کا وجود ریاست کے لیے ہے نہ کہ ریاست کا وجود عوام کے لیے''۔

۲۔ پارلیمانی اداروں کا خاتمہ۔

۳۔ تعلیم، پریس، ریڈیو وغیرہ پر مکمل گرفت اور اپنی خود کی طاقت برقرار رکھنا۔

۴۔ تمام طرح کے جماعتی تانے بانے اور حزب اختلاف کو توڑ دینا۔

۵۔ کمیونزم اور حریت پسندی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا۔

۶۔ ذاتی جائداد کا اختیار صرف ایک حد تک تسلیم کرنا جو قومی مفادات کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔

۷۔ زراعت اور صنعتوں کے فروغ کے لیے پرائیویٹ اور ریاستی کاوشوں کی تحریک۔

۸۔ نازی جماعت جرمنی کو تمام دیگر ممالک سے برتر سمجھتی تھی اور اپنا اثر ورسوخ پوری دنیا پر رکھنا چاہتی تھی۔ اس کا یہ خیال تھا

کہ: ''طاقتور کو حکومت کرنی چاہیے اور کمزور کے ساتھ ضم ہو کر اپنی عظمت کو قربان نہیں کرنا چاہیے''۔

۹۔ جرمنی سے یہودیوں کو نکال باہر کرنا کیونکہ جرمنی کے لوگوں کی معاشی بدحالی کے وہ ایک عظیم وجہ تھے۔

۱۰۔ ویرا سیلس کی پست صلح کی لعنت ملامت کرنا۔

۱۱۔ جنگ سے قبل کی جرمن شہنشاہیت کی توسیع۔

۱۲۔ جرمنی کی فوجی طاقت میں اضافہ۔

ہٹلر کے زیر قیادت نازیت (یا فسطائیت) کا ظہور:

نازیت کا ظہور اڈولف ہٹلر کے نام سے وابستہ ہے جس کی ولادت آسٹریا میں ۱۸۸۹ء میں ہوئی تھی۔ وہ جرمن قومیت کا حمایتی تھا اور اس نے جرمن اتحاد کا خواب دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے پہلی جنگ عظیم میں فوج میں شمولیت اختیار کر کے اپنی مادر وطن کی خدمت انجام دی اور اپنی بہادری کے لیے ''Iron Cross'' کا تمغہ حاصل کیا۔

جرمنی کو شکست کے بعد ذلت آمیز ویرا سلس کی صلح پر دستخط کرنا پڑا۔ ہٹلر کا یہ قوی نظریہ تھا کہ جرمنی کی شکست اس کے قائدین کی وجہ سے ہوئی ہے نہ کی فوج کی وجہ سے۔ اس نے ''National Soccialist German Workers Party'' کی تشکیل ۱۹۱۹ء میں کی۔ بعد میں اسے ''نازی پارٹی'' کے نام سے جانا گیا۔ اس کی رکنیت بڑھتی رہی اور یہ بہت مقبول ہوگئی اور آخرکار یہ طاقت چھیننے میں کامیاب ہوگئی۔

نازی پارٹی کی اپنی خود کی فوج تھی جسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک حصہ بھورے رنگ کی وردی پہنتا تھا اور اس کی اہم خدمت اپنی پارٹی کے ممبران کی حفاظت اور مخالف جماعتوں کے اجلاس کو توڑنا تھا۔ دوسرا حصہ کالی شرٹ پہنتا تھا اور اس کی اہم ذمہ داری اپنی پارٹی کے قائدین کی حفاظت کرنی تھی۔ ''People's Onsever of Guardian'' نام سے ایک اخبار نازیت کے اصولوں کی اشاعت کے لیے شائع ہوا۔

۱۹۲۳ء میں ہٹلر نے Republic کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے Royalists میں شمولیت اختیار کی۔ یہ کوشش ناکام رہی اور اس کو قید میں ڈال دیا گیا۔ جیل میں اس نے اپنی مشہور کتاب ''Mein Kampf'' تصنیف کی جو نازی پارٹی کے اصول، اہداف، اسکیموں اور پروگراموں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب نازیت کے فروغ میں معاون ثابت ہوئی۔ اسے ''نازیوں کی انجیل'' کے طور پر جانا جاتا ہے۔

ہٹلر کو ایک سال کے بعد آزاد کیا گیا۔ اس نے نازی پارٹی کی ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۹ء تک تنظیم کی اور ہر جگہ اس کی شاخوں کی تشکیل کی۔ ۱۹۲۹ء میں یورپ میں عظیم مندی کا دور آیا۔ اس سے جرمنی کے لوگ متاثر ہوئے اور وہاں اقتصادی بحران پیدا ہوا۔ جرمنی بے روزگاری اور فاقہ کشی کی گرفت میں تھا۔ اس نے ریپلک پارٹی کی شہرت خراب کی اور لوگوں کے سامنے یہ واضح کیا کہ صرف نازی پارٹی ہی قومی مشکلات کو حل کر سکتی ہے اور قوم کو اس بحران سے نکال سکتی ہے۔ نتیجتاً اوسط درجے کے لوگوں، تاجروں، سرمایہ داروں، فوجیوں، اساتذہ، طلبہ وغیرہ نے اس پارٹی میں ایک بڑی تعداد میں شمولیت اختیار کی۔

جب ہٹلر نے پہلی مرتبہ Hindenburg کی صدارتی انتخاب کے لیے مخالفت کی تو اس کی شکست ہوئی۔ لیکن ۱۹۳۲ء کے انتخابات میں نازی پارٹی نے ۲۳۰ سیٹیں اسمبلی میں جیتیں اور Re ichstag (پارلیمنٹ کے نچلے ہاؤس میں) اکثریت حاصل کی۔ اس طرح ۱۹۳۳ء میں Hindenburg کو ہٹلر کو

اپنا چانسلر یا وزیر اعظم مقرر کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ ہٹلر نے تانا شاہ بننے کا خواب دیکھنا شروع کر دیا۔ ہٹلر نے Reichstag کو تحلیل کر دیا اور نئے انتخابات کا فرمان جاری کر دیا۔ لیکن کسی نے اس عمارت میں آگ لگا دی جس میں Reichstag اپنی میٹنگ منعقد کر رہا تھا۔ اس موقع پر ہٹلر نے مخالف پارٹیوں کو مضبوطی سے کچل دیا اور نازی مختار کل بن گئے۔

۱۹۳۴ء میں جب صدر Hindenburg کا انتقال ہو گیا تو ہٹلر صدر اور چانسلر دونوں بن گیا۔ وہ مختار کل بن گیا اور "Fuhrer" یا جرمنی کے واحد قائد ہونے کا لقب اختیار کیا۔ اس طرح ۱۹۳۴ء تک ہٹلر جرمنی کا تانا شاہ بن گیا اور جرمنی میں سوائے نازی پارٹی کے کسی پارٹی کا وجود باقی نہ رہا۔

جرمنی میں نازیت (یا فسطائیت) کے نتائج:

ہٹلر کے جرمنی کا تانا شاہ بنتے ہی نازی پارٹی کو تمام اختیارات حاصل ہو گئے۔ نازیت نے جرمنی کے لیے کچھ اچھے نتائج برآمد کیے لیکن آخرکار یہ جرمنی اور پوری دنیا کے لیے ایک آفت ثابت ہوئی۔ اس سے دوررس نتائج برآمد ہوئے جو درج ذیل ہیں:

(۱) ۱۹۳۴ء میں تانا شاہ بننے کے بعد ہٹلر نے تمام اختیارات پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ایک مضبوط مرکزی حکومت کی تشکیل کی۔ اس نے جمہوریت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی انتظامیہ کی بنیاد ایک پارٹی پر تھی، ایک قائد اور منظم انتظامیہ۔ نازی پارٹی کی مطلق العنانی کے توسط سے اس نے جرمنی میں قومی اتحاد برپا کیا۔

(۲) پورا حزب اختلاف ایک فولادی ہاتھ سے دب گیا۔ تمام سیاسی پارٹیوں پر سوائے نازی پارٹی کے پابندی لگا دی گئی۔ کمیونسٹ پارٹی پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ حزب اختلاف کے قائدین کو قتل کر دیا گیا یا جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس نے اپنی پارٹی کے ان ممبران کو بھی سزا دینے میں ہچکچاہٹ نہیں دکھائی جنہوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ تجارتی یونینوں کو بھی دبایا گیا۔

(۳) جرمنی ایک ایسی ریاست بن گیا جو پولیس کے زیر تسلط تھا۔ اس نے پورے ملک میں اپنے مخالفین پر نظر رکھنے کے لیے جاسوسوں کا ایک جال بچھا دیا۔ ہزاروں سوشلسٹوں، کمیونسٹوں اور مخالفین کو کنسنٹریشن کیمپوں میں بھیج دیا گیا جہاں انہیں ریاست کے ہاتھوں مظالم کا شکار ہونا پڑا۔

(۴) نازی پارٹی اور ہٹلر نے یہودیوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ وہ غدار ثابت ہو چکے تھے۔ انہیں جنگ میں جرمنی کی شکست کا ذمہ دار گردانا گیا۔ قانونی طور پر یہودیوں کی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ ان کی اکثریت نے جرمنی کو خیرآباد کہہ دیا۔

ہٹلر اور یہود (دوسری جنگ عظیم ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء کے درمیان):

نازی جرمنی نے جرمن مقبوضہ یورپ میں تقریباً ساٹھ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا۔ اس نسل کشی کو عالمی تاریخ میں "Holocaus (یہودیوں کا قتل عام)" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر ہٹلر نے ایسا کیوں کیا؟ اس کارروائی کے پیچھے کچھ اسباب ہیں۔ نمایاں اسباب میں سے یہ ہے کہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد نئی نازی پارٹی اور اس کے قائد اڈولف ہٹلر نے جنگ میں جرمنی کی شکست کے لیے یہود کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ ہٹلر کا یہ بھی خیال تھا کہ کمیونزم ایک یہودی سازش تھی۔ اس نے یہودیوں کو ایک فتنہ پرداز اور شرانگیز قوم کا بھی نام دیا اور انہیں پورے عالم کے لیے ایک خطرہ قرار دیا۔ کچھ اور اسباب کی بنا پر ہٹلر کے اندر یہودیوں کے خلاف کچھ اس طرح کی نفرت پیدا ہوئی۔ چناں چہ وہ جرمن

معاشرے سے انہیں نکال دینا چاہتا تھا۔ یہودیوں کے قتلِ عام کے بعد ہٹلر نے کہا: ''میں نے پوری دنیا پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔ باقی بچے ہوؤں کی بیخ کنی دنیا کو میرے بعد کردینی چاہیے''۔ شاید دنیا نے ہٹلر کے اس فکر انگیز بیان کو نہیں سمجھا۔ لیکن اسرائیل کے ہاتھوں فلسطینی لوگوں کی موجودہ نسل کشی سے یہ بات سچ ثابت ہوئی اور اب دنیا یہ بہ آسانی سمجھ سکتی ہے کہ ہٹلر نے آخر یہودیوں کی نسل کشی کیوں تھی۔

(۵) ریڈیو، اخبارات، پریس، مجلّات، کتابیں، تھیٹر سبھی پر حکومت کا پورا تسلط تھا اور ان کی نگرانی کی جاتی تھی۔

(۶) جنگ کے بعد اقتصادی بحران سے نمٹنے کے لیے ہٹلر نے جرمنی میں متعدد اصلاحات متعارف کیں۔ ملک کی اقتصادی زندگی کی تنظیم دو مقاصد بے روزگاری دور کرنے اور جرمنی کو خود کفیل کرنے کے تحت کی جاتی تھی۔ مزدوروں کو کام دینے کے لیے فیکٹریوں کی تشکیل کی گئی۔ اس نے صنعتی اور زراعتی پیداوار اور تجارت کی پذیرائی کی۔ اس نے تجارت کو فروغ دینے کے لیے اقدامات کیے۔ ہر بے کار کو ملک میں کام ملا۔ اس طرح اس نے رعایا کو کام اور روزگار دونوں فراہم کیا۔ ملازمین کو مختلف سہولیات دی گئیں لیکن انہیں احتجاج کا حق نہیں دیا گیا۔ برآمدات اور درآمدات پر موافق تجارتی توازن برقرار رکھنے کے لیے اپنے دائرہ اختیار میں رکھا گیا۔

(۷) اس نے تعلیم کا ایک ایسا نظام قائم کیا جس سے نازیت کے مضبوط حمایتی پیدا ہوں۔ تعلیم نازیت کے اصولوں کے مطابق دی جاتی تھی۔ نوجوانوں کے نازک دماغوں میں نازیت کے افکار اس طرح پرودیے گئے کہ انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہی قومی مشکلات کو حل کر سکتے ہیں۔ نوجوانوں کو ملک کی خدمت کے لیے تیار کیا گیا۔

(۸) نازیوں نے عوامی کاموں، حکومتی آفسوں کی تعمیر، اسٹیڈیموں، آرٹ گیلریوں، عمرانی ترقیات وغیرہ کی عظیم اسکیمیں چلائیں۔

(۹) مذہب کو بھی ریاستی اختیار کے تحت لایا گیا کیونکہ چرچ بھی مخالفت کا ایک ممکن ذریعہ بن سکتے تھے۔

(۱۰) جرمنی میں فوجی طاقت کو بڑھانے، اسے ایک طاقتور ملک بنانے، اور اس کی بین الاقوامی جاہ و حشمت بحال کرنے کے لیے عسکریت پسندی کے ایک وسیع پروگرام کا آغاز کیا گیا۔ بحری جہاز، ہوائی جہاز اور دوسرے جنگی ساز و سامان تیار کیے گئے۔ ہٹلر کہا کرتا تھا: ''ہم بندوق چاہتے ہیں نہ کہ مکھن''۔

(۱۱) اس کی خارجہ پالیسی کا اہم مقصد ویرسیلس کی ذلت آمیز صلح کے برے اثرات کو دور کرنا تھا۔ وہ جرمنی کو یورپ کی ایک عظیم طاقت بنانا چاہتا تھا، اس کی فوجی قوت کو بڑھانا چاہتا تھا اور اس کے قدیم وقار کو بحال کرنا چاہتا تھا۔ آغاز میں امن کے لبادے میں اس نے یورپی ممالک کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی اور مستقبل میں ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تیاریاں کیں۔

اقتدار میں آنے پر اس نے ویرسیلس کی صلح کی خلاف ورزی کی اور جنگی تاوان دینے سے منع کر دیا۔ اس نے اپنی فوجی قوت اور ملکی حدود کی محاذ آرائی بڑھانا شروع کر دیا۔ ویرسیلس کی صلح کے مطابق وادیِ ''سار'' فرانس کے حوالے کر دی گئی تھی۔ لیکن ۱۹۳۴ء میں ایک استصواب رائے کے بعد اسے جرمنی میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۹۳۶ء میں اس نے Rhineland پر قبضہ کر لیا اور اس کی مورچہ بندی کر لی۔ ہٹلر نے آسٹریا کو ۱۹۳۴ء میں اپنے سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ایسا کرتے میں وہ

ناکام رہا۔اس نے ۱۹۳۴ء میں اپنے مشرقی محاذ کے تحفظ کے لیے پولینڈ کے ساتھ دس سال کے وقفہ کے لیے ایک غیر جنگی صلح کی۔

لیکن یورپ کے تمام ممالک اس کی سامراجی منصوبہ بندیوں کو دیکھ کر محتاط ہوگئے۔ سب سے پہلے اٹلی اور چیکسولواکیا نے جرمنی کے خلاف ایک جنگی معاہدہ کیا۔ بعد میں فرانس بھی اس میں شامل ہوگیا۔ جب ہٹلر نے یہ اعلان کیا کہ وہ ویرسیلس کی صلح کے شرائط قبول نہیں کرے گا تو فرانس چوکنا ہوگیا۔ لہٰذا فرانس نے روس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور چیکسولواکیا بعد میں اس میں شامل ہوگیا۔ دوسری طرف ہٹلر نے بھی اپنی حیثیت مضبوط کرنے کے لیے اپنے حلفاء کی تشکیل کرنی شروع کردی۔ اس نے ۱۹۳۳ء میں ایک ''برطانوی - جرمنی بحری معاہدہ'' کیا۔ ۱۹۳۶ء میں اس نے اٹلی کے ساتھ ایک صلح پر دستخط کی جو ''Rome-Berlin Axis'' کے نام سے جانی گئی۔ بعد ازاں ۱۹۳۷ء میں جاپان بھی اس میں شامل ہوگیا۔ اس طرح ''Rome-Berlin-Tokyo Axis'' ۱۹۳۷ء میں معرضِ وجود میں آیا۔ اس طرح ۱۹۳۷ء تک یورپ دو جنگی گروپوں میں منقسم ہوگیا۔

اپنی حیثیت مضبوط کرنے کے بعد ہٹلر نے ۱۳ر مارچ ۱۹۳۸ء کو آسٹریا پر حملہ کردیا اور اسے اپنے سلطنت میں شامل کرلیا۔ ہٹلر ستمبر ۱۹۳۸ء میں Sudetenland (بوہمیا کا ایک حصہ) کو شامل کرنے میں کامیاب رہا۔ بعد ازاں اس نے پورے چیکسولواکیا کا محاصرہ کرلیا۔ ہٹلر نے ار ستمبر ۱۹۳۹ء کو پولینڈ پر حملہ کیا اور اس کے ساتھ ہی دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ یہ جنگ ۱۹۴۵ء تک جاری رہی۔ لیکن آخرکار جرمنی کو اس جنگ میں شکست ہوئی۔ اسے ۱۹۴۵ء میں ہتھیار ڈالنا پڑا۔ ہٹلر نے بھی خودکشی کرلی۔ اس کی موت کے ساتھ ہی جرمنی میں نازی تاناشاہی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

★★★★★★

﴿بقیہ صفحہ ۲۱ کا﴾۔ ....وَلَاتَضُرُّوْهُ شَيْئاًوَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ''۔[التوبۃ:۹/۳۹] (تم نہ اٹھوگے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکوگے، ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)، دوسری آیت یہ ہے: ''قُلْ اِنْ كَانَ آبَائُكُمْ وَاَبْنَا ئُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأموَالاقتَرفتمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللهُ بِاَمْرِهٖ وَاللهُ لَا يَهْدِىْ الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ''۔[التوبۃ:۹/۲۴] (اے نبی کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے عزیز واقارب اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے، اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا)۔

[ترجمہ: ارشادالرحمن]

★★★★★★

توضیح

نصرتِ ربانی کب اور کیسے!!

ڈاکٹر یوسف القرضاویؒ

سوال: ہم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھتے ہیں: ''وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ''۔ [الروم: ۳۰/۴۷] (اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں)، جب کہ زمینی صورت حال میں مومنوں کی خواری اور زبوں حالی سے دو چار پاتے ہیں، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی پڑھتے ہیں: ''وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ'' [المنافقون: ۶۳/۸] (عزت تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے)، لیکن مومن رسوائی اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، قرآن مجید کہتا ہے: ''وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا'' [النساء: ۴/۱۴۱] (اور اللہ نے کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی ہے)، مگر ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں تو کافروں کو مومنوں ہزار حوالوں سے حاوی پاتے ہیں، اسی طرح اور آیات بھی ہیں، مثلاً: ''اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' [الحج: ۲۲/۳۸] (یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف جو ایمان لائے ہیں)، ''ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' [محمد: ۴۷/۱۱] یہ اس لیے کہ ایمان لانے والوں کا حامی و ناصر اللہ ہے)، ''وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ'' [الانفال: ۸/۱۹] (اللہ مومنوں کے ساتھ ہے)، اس کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ قوت و سیادت اور سربلندی کافروں اور ملحدوں کو حاصل ہے، جب کہ کمزوری واپس ماندگی اور ذلت و رسوائی مومنوں کے حصہ میں آئی ہے، اس کی کیا توضیح ہو سکتی ہے اور کیا سبب بیان کیا جا سکتا ہے؟

جواب: آیات تو بہت ہی صاف ہیں، آپ عزت و نصرت اور قوت وسیادت اور تائید الٰہی کی تمام آیات کو مومنوں سے جوڑ سکتے ہیں لیکن ایمان کے ہر دعویدار اور اہلِ اسلام جیسے نام رکھ لینے والوں سے متعلق قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ اعتبار اور اہمیت ناموں کی نہیں ہوتی بلکہ ان چیزوں کی ہوتی ہے جن کے یہ نام ہوتے ہے۔

اگر ایمان سے مراد اللہ و رسولؐ کو ماننے کا زبانی اقرار لیا جائے اور اسلام کے بعض شعائر کو قائم رکھنے کی حد تک سمجھا جائے تو ہم مومن ہیں، اور اگر ایمان ان اوصاف کے حصول کا نام ہے جن کو قرآن مجید نے مومنین کے لیے بیان کیا ہے تو ہماری اور قرآن کے بیان کردہ ایمان کے درمیان کئی اور مراحل بھی آتے ہیں، وہ مومن جن کی نصرت و تائید کا ذمہ قرآن مجید کی آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ لیتا ہے، ان مومنوں کی کچھ صفات ہیں جنھیں خود قرآن مجید نے ہی بیان کر دیا ہے، ان صفات کے ذریعے ان مومنوں کے ایسے عقائد، اعمال اور اخلاق کو واضح کر دیا گیا ہے جن کی بنا پر مومن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکریم و توقیر کے مستحق قرار پاتے ہیں، یہ انصاف نہیں کہ ہم مومنوں کے لیے قرآن مجید میں بیان کیے گئے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا تو ذکر کریں مگر مومنوں کی تعریف اور وضاحت کے لیے قرآن کے بجائے کہیں اور رجوع کریں۔

ہمیں قرآن مجید کی یہ روشن آیت بھی پڑھنی چاہیے:
''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ، الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا''۔[الانفال:۸/ ۲، ۳، ۴]

(سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے، اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں، ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں)۔

''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ''[المومنون: ۲۳/ ۱، ۲] (یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں)، ''وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ''[التوبہ:۹/ ۷۱] (مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں) ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ'' [الحجرات:۴۹/ ۱۰] (مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو)، ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ''۔[الحجرات:۴۹/ ۱۵] حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی سچے لوگ ہیں)، ''اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ''۔ [النور: ۲۴/ ۵۱] (ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف بلائے جائیں تا کہ رسولؐ ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)۔

یہ آیت اور ایسی دیگر بہت سی آیات بھی پڑھنی چاہئیں جو قرآن مجید میں ہی ہیں، پھر ہمیں اربوں مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے جو خود کو اسلام کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، ایسی صورت حال میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہیے کہ کیا مسلمان ایسی قوم نہیں بن گئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا ہے، خواہشات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں، اللہ سے ان کا تعلق کٹ چکا ہے، گویا قرآن ہی کی زبان میں: ''بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى''۔[الحشر:۵۹/ ۱۴] (یہ آپس کی مخالفت میں بڑے سخت ہیں، تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں)، برائی ان میں عام اور علانیہ ہوگئی ہے، جب کہ نیکی دب کر رہ گئی ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ نیکی برائی بن گئی ہے اور برائی نے نیکی کی جگہ لے لی ہے، یہاں اب نیکی کا پرچار کرنے والوں کی جگہ برائی کا پرچار کرنے والے آگئے ہیں بلکہ نیکی کو روکنے والے موجود ہیں۔

آپ ان اربوں اہل ایمان کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں سے لاکھوں کو گروہی تعصب اور فرقہ وارانہ گمراہیوں نے تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور لاکھوں کو سیاسی استبداد نے بے کار بنا دیا ہے، لاکھوں کو اجنبی فکری یلغار نے اعتقادی طور پر کمزور کر دیا ہے، لاکھوں کو سیکولر استعمار نے علیحدگی پسند بنا دیا ہے، اسی طرح لاکھوں

کو صلیبی استعمار نے جہالت میں دھکیل دیا ہے اور لاکھوں ایسے ہیں جو کسی شمار قطار میں ہی نہیں، وہ غفلت میں بے سدھ اور مدہوشی میں بے حس پڑے ہیں: ”أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ“ [النحل:۱۶/۲۱] (مردہ ہیں نہ کہ زندہ، اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انھیں کب (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھایا جائے گا)۔

سوال ہے کہ کیا ہم یہودیوں کے مقابلہ میں بھی مخلص مومن نہیں؟ یہودی کیوں غالب ہیں، اور غالب بھی ہمارے اوپر ہیں؟

عرض ہے کہ یہودی کائنات میں اللہ تعالیٰ کے قوانین قدرت کو اہمیت دینے کی بنا پر غالب آئے ہیں، قوانین قدرت کو اہمیت دینا ایمان کا ایک اہم جز ہے، ہم نے اس جز کو ضائع کر دیا، لیکن انھوں نے اس کی حفاظت کی ہے، در اصل وہ بیدار رہے، جب کہ ہم خواب کے مزے لیتے رہے، انھوں نے علم حاصل کیا، جبکہ ہم جہالت میں پڑے رہے، انھوں نے محنت وکوشش کو شعار بنایا، جبکہ ہم نے سستی و پس ماندگی کو گلے لگایا، انہوں نے اپنی باہمی قوت کو معاونت کے ذریعے بڑھایا، جبکہ ہم باہمی چپقلشوں میں کمزور ہوتے رہے، انہوں نے کل کے لیے تیاری کی، جبکہ ہم تو اپنا آج کا کام بھی فراموش کیے رہے، اس قوم نے اپنا خون پسینہ بہاڈالا جبکہ ہم نے آنسوں بہانے کے علاوہ کچھ نہ کیا۔

ترقی وزوال اور نصرت وہزیمت کے الٰہی قوانین کسی پر ظلم نہیں کرتے اور نہ بے جا کسی کی حمایت میں آتے ہیں، جو بھی نصرت کے اسباب ووجوہ کو اختیار اور استعمال کرے گا وہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا خواہ وہ یہودی ہی ہو، اور جو ہزیمت وشکست کی طرف چل پڑے گا وہ اس سے دوچار ہوکر رہے گا خواہ وہ اسلام ہی کے ساتھ منسوب ہو، معرکہ احد میں مسلمانوں کے ساتھ پیش آنے والے حادثے پر نظر ڈالیے! اس معرکے میں مسلمانوں نے ایک غلطی کی تو ۷۰ شہداء کی صورت میں اس کی قیمت ادا کی، جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ، حضرت معصب بن عمیرؓ، سعد بن ربیعؓ اور انس بن نضرؓ جیسے جواں مرد مومن شامل تھے، اس موقع پر یہ بات بھی مسلمانوں کے کام نہ آئی کہ ان کے قائد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دشمنوں کی صف میں بتوں کے پجاری ہیں، قرآن مجید نے اس صورت حال کو یوں محفوظ کیا ہے اور قرآن سے بڑھ کر مبنی بر عدل فیصلہ اور بیان کس کا ہوسکتا ہے، فرمایا: ”أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ [ال عمران:۳/۱۵۶] (اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے، اے نبیؐ! ان سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

اس مسئلہ کو مزید سمجھنے کے لیے قرآن مجید کی درج ذیل آیات بھی پڑھ لیجیے: ”يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا“۔ [النساء:۴/۷۱] (اے لوگوں! جو ایمان لائے ہو، مقابلہ کے لیے تیار ہو جاؤ، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا اکٹھے ہوکر)، ”وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم“۔ [الانفال:۸/۶۰] (اور تم لوگ، جہاں تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنھیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے)،

''يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ'': [الانفال:۸/ ۴۵، ۴۶] اے لوگوں! جو ایمان لائے ہو، جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہوتو ثابت قدم رہو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

کیا ہم نے ان آیات پر عمل کیا؟ ہم نے تو اپنا دفاع بھی نہ کیا بلکہ فریب میں ہی مبتلا تھے کہ اچانک صہیونی چالوں کا شکار ہو گئے اور آج بھی ان کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں، ہم ہمیشہ غفلت میں پڑے رہے اور اپنی بساط بھر تیاری نہ کی، نہ قوت حاصل کی، ہاں! بے کار اسلحہ خرید لیا جو نشانے پر لگنے کے بجائے نشانہ لینے والے پر ہی واپس آ لگتا ہے، اسلحہ اور ساز و سامان سے یہی غفلت بھری صورت حال تھی جس کی بنیاد پر دشمن نے یک بارگی ہمارے اوپر حملہ کر دیا، قرآن مجید نے اس حقیقت کو بھی بیان کیا ہے: ''وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً''۔ [سورہ النساء: ۴/ ۱۰۲] کفار اس تاک میں ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو تم پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں)۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہم دشمن کے سامنے آئے تو اس طرح نہ ٹھہر سکے جس طرح ٹھہرنے کا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا تھا، نہ بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد ہی کیا، بلکہ تھوڑا بھی نہ کیا، اور نہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، ہم نے تو لشکر سازی اور میدان جنگ سے منہ موڑ کر رقص و سرور کی طرف رخ کر لیا، ہم اس باہمی آویزش اور چپقلش سے باز نہ آئے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ ہم ناکام ہوئے اور ہمارے غبارے سے ہوا نکل گئی۔

اس صورت حال کے بعد کیسے ہم اپنے آپ کو مومنوں کے اس گروہ میں شمار کر سکتے ہیں جس کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے، اسی طرح ہم ان وعدوں کے منتظر بھی کیسے ہو سکتے ہیں جو اللہ نے کیے ہیں؟ جبکہ ہم ان شرائط کو پورا نہیں کر رہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں، یہ تو بڑی بے شرمی کی بات ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت کے تو طلبگار رہوں مگر خود اللہ تعالیٰ کی مدد کے لیے کچھ نہ کریں، اللہ سے ہم مومنوں جیسا بدلہ چاہیں مگر اپنے اندر مومنوں جیسے اوصاف پیدا نہ کریں، ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم اللہ کے لیے مخلص ہو جائیں، پھر اللہ بھی ہمارے ساتھ مخلصوں جیسا سلوک کرے گا، میرا مقصد یہ ہے کہ ہم حقیقی مومن بن جائیں، اللہ وحدہ کے رب ہونے پر، اسلام کی طریق زندگی ہونے پر، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدا و پیشوا ہونے پر، اور قرآن مجید کے رہنما ہونے پر تہ دل سے راضی ہو جائیں، اس کے ساتھ یہ بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے عقائد و افکار، اخلاق و کردار اور قانون و نظام زندگی، غرض ہر چیز میں غیر اللہ کی بندگی سے بے زاری کا اظہار کریں۔

صرف اور صرف اسی ایمان کی بنیاد پر ہم اس خوشی و راحت اور عزت و نصرت حاصل کر سکتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مومنوں کے لیے مقدر فرما دیا ہے، جبکہ آخرت کی وضاحت خوشی اور ثواب و اجر اس کے علاوہ ہے۔

یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا صالح مومن بھی کہیں موجود نہیں ہے؟ گزارش یہ ہے کہ یہ امت تو گمراہی پر یکجا نہیں ہو سکتی، مگر ایسے

صالح مومن بہت تھوڑے ہیں اور وہ تھوڑے ہونے کے ساتھ ان بکھرے ہوئے دانوں کی طرح منتشر بھی ہیں جو کسی دھاگے میں منسلک نہ ہوں اور ان میں سے کثیر تعداد کو تو اس مایوسی نے گھیر رکھا ہے کہ اصلاح اور تبدیلی ممکن نہیں، لہذا انھوں نے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور میدان منکر خدا، فاجر اور چالباز فکری یلغار کے لیے کھلا چھوڑ دیا ہے، ان صالح مومنوں میں سے کچھ تو آہ وزاری اور ماضی کی طرف پلٹنے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں اور کوئی سنجیدہ و مثبت لائحہ عمل پیش نہیں کرتے اور کچھ اللہ کی راہ میں پہنچنے والی تکلیف سے ہی خوف زدہ ہو کر کمزور و بے کار ہو گئے ہیں، اسی طرح کہ درجنوں اور اسباب بھی ہیں جو ایسے مومنوں کی موجودہ صورت حال کو واضح کرتے ہیں۔

ان تمام تر صورت حال میں مسائل کا حل کیا ہوسکتا ہے؟ حل یہ ہے کہ اہل ایمان ایک دوسرے کو صحیح اسلام کی طرف رجوع کی دعوت دے کہ عقیدہ وشریعت اور اخلاق و کردار میں صحیح اسلام کو اختیار کریں، وہ قوم کو بھی اسی یاد دہانی کے ذریعے امیدیں، وعیدیں سنائے، وہ صرف اسلام ہی کے ذریعہ غالب آسکتے اور قیادت کر سکتے ہیں، ان کی وحدت وقوت اسی اسلام میں پوشیدہ ہے اور دنیا کی عزت اور آخرت کی سعادت اسی اسلام میں ہے، کہیں اور نہیں۔

یہ صالح مومن امت کو قدیم جمود، جدید انتشار اور کبھی کھل کر اور کبھی چھپ کر حملہ کرنے والے کفر سے بچانے کے لیے اپنی کوششوں کو متحد کریں، ان غیرت مند مومنوں کو اپنے عہد کے حالات کا بخوبی علم ہونا چاہیے، زمانہ کے تقاضوں سے آگاہ ہونا چاہیے، اپنے اپنے معاشروں اور ممالک کے احوال سے باخبر ہونا چاہیے، اجنبی یلغاروں اور مشکلات سے بھی چوکنا ہونا چاہیے اور ان سے نمٹنے کا سامان بھی کرنا چاہیے، انھیں یہ کام ماہروں و متخصص علماء کے طرز کرنا چاہیے، مقلدوں اور نقالوں کی طرح نہیں، اس کے ساتھ وہ اس سرکش مادی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے صبر و یقین کے ہتھیار سے لیس ہوں جس یلغار نے ان کے گھروں کو تباہ کر ڈالا ہے اور ان کے دل و دماغ کو بھی ماؤف کر کے رکھ دیا ہے، اس صورت حال کو ایک بڑے اسلامی مفکر نے ایک جملہ میں بیان کیا ہے:

"ارتداد بڑھ رہا ہے مگر اس کے خاتمہ کے لیے ابوبکرؓ نہیں ہے"۔

جب مومن حق و باطل کے درمیان گرم ہو چکے، معرکے میں صبر کا مظاہرہ کر لیں گے، اور انہیں اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی صداقت کا یقین ہو چکے گا اور وہ اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد کو ہر اس چیز پر ترجیح دے چکے ہوں گے جس کی خواہش اور تمنا انسانوں کو ہر دور میں رہی ہے، جب وہ ایسی پامردی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کر لیں گے تو وہ خود کو اس کا حقدار بنا لیں کہ اللہ ان کو دنیا کی امانت وقیادت عطا فرما دے، زمین کا وارث بنا دے، اور زمین کی حکمرانی و سلطنت ان کے پاس آجائے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ"۔ [السجدہ: ۳۲/۲۴] (اور جب انھوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو ان کے اندر ہم نے ایسے پیشوا پیدا کیے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے)۔

لیکن اگر یہ صالح مومن اس فرض کو پورا کرنے سے پہلو بچائیں گے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ یہ انجام تو بڑا خوفناک اور دہلا دینے والا ہے، قرآن مجید کی ایک آیت نے اس کی علامات کو متعین کر کے اور ایک دوسری آیت نے اسے متعین کیے بغیر بیان کیا ہے، پہلی آیت یہ ہے: "إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ «بقیہ صفحہ ۱۶ پر»۔۔۔۔

اسوہ حسنہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و بہادری کے چند نمونے

مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی

شجاعت و بہادری ایسی قابل ستائش اور لائق تعریف صفت ہے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ اس صفت سے متصف ہو۔ یہ صفت ایک آدمی کے جسمانی طور پر قوی و طاقتور ہونے پر منحصر نہیں ہے؛ بلکہ یہ صفت قلب و جگر کی مضبوطی پر موقوف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و بہادری اور دلیری کے متعدد ایسے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نہایت ہی بہادر، شجاع اور دلیر انسان تھے۔ مشرکین سر پر کھڑے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں آرام وسکون سے ہیں۔ رات میں کوئی ڈراؤنی آواز آتی ہے؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا اس کا پیچھا کرنے چل دیتے ہیں۔ جب جنگ کے شعلے بھڑکتے ہیں؛ تو آپؐ پہلی صف میں دشمنوں سے مقابلہ کے لیے حاضر ہیں۔ آپؐ "انا النبي لا كذب، أنا ابن عبد المطلب" کا نعرہ بلند کرکے، دشمنوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ سے فرار ہونے والے نہیں ہیں، بلکہ ڈٹ کر دشمنوں سے لڑنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و بہادری کے چند نمونے یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے؛ تو مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری پر سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا۔ اس انعام کی حرص وطمع میں بہت سے مشرکین آپؐ کی تلاش میں سرگرداں اور حیران تھے۔ ہر ممکنہ سمتوں میں تلاش کرتے کرتے، وہ لوگ "غارِ ثور" تک پہنچ گئے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ پناہ لیے ہوئے تھے۔ ان مشرکین کے قدم، ابوبکر صدیقؓ کو دکھائی دے رہے تھے۔ صدیق اکبرؓ اللہ کے رسولؐ کو مخاطب کرکے گویا ہوئے کہ اگر ان مشرکین میں سے کوئی اپنے پاؤں کے نیچے دیکھے گا؛ تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کے خدشہ کو سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شجاعت و بہادری کا اظہار کچھ اس طرح کیا کہ اے ابوبکر! ان دونوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، جن کے ساتھ تیسرا خدا ہے؟ سوالیہ انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تشفی بخش جواب، صدیق اکبرؓ کے خوف وہراس کو ختم کرنے اور تسلی دینے کے لیے کافی تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اس واقعہ کی منظر کشی یوں کرتے ہیں: "جب ہم غار (ثور) میں تھے، تو مشرکوں کے پاؤں کو دیکھا کہ وہ ہمارے سروں پر چڑھ آئے تھے، تو میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان میں سے کوئی اپنے پاؤں کے نیچے دیکھ لے؛ تو یقینی طور پر ہمیں دیکھ لے گا"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "اے ابوبکر! ان دونوں کے بارے میں آپ کا کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے؟" (صحیح مسلم عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ: ۲۳۸۱)۔

اللہ تعالی نے اس واقعہ کی منظر کشی قرآن کریم میں یوں کی ہے: "إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ"۔ (التوبہ: ۴۰)۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ’’یعنی ابو بکر صدیقؓ کو فکر تھی کہ جان سے زیادہ محبوب جس کے لیے سب کچھ فدا کر چکے ہیں دشمنوں کو نظر نہ پڑ جائیں۔ گھبرا کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر کی تو ہم کو دیکھ پائیں گے۔ اس وقت حق تعالی نے ایک خاص قسم کی کیفیت، سکون واطمینان حضورؐ کے قلب مبارک پر اور آپؐ کی برکت سے ابو بکرؓ کے قلب مقدس پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت وتائید کی۔ یہ اسی تائید غیبی کا کرشمہ تھا کہ مکڑی کا جالا جسے ’’اوہن البیوت‘‘ بتلایا ہے، بڑے بڑے مضبوط ومستحکم قلعوں سے بڑھ کر ذریعہ تحفظ بن گیا‘‘ (تفسیر عثمانی)۔

’’غزوۂ ذات الرقاع‘‘ سے واپسی کے موقع پر ایک دیہاتی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد ویقین، صبر واطمینان، شجاعت وبہادری اور توکل علی اللہ کے حوالے سے نہایت ہی ایمان افروز اور سبق آموز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ’’نجد‘‘ کے علاقہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جہاد کے لیے گئے۔ جب لوٹ کر آرہے تھے، تو آپؐ کثیر خاردار درختوں کی وادی سے گزر رہے تھے کہ قیلولہ کا وقت ہوگیا؛ لہٰذا آپؐ صحابہ کرام کے ساتھ اسی مقام پر رک گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم درختوں کے سائے میں منتشر ہوکر تھوڑی دیر کے لیے آرام فرمانے لگے۔ تلوار کو درخت پر لٹکا کر، آپؐ بھی کیکر کے درخت کے نیچے قیلولہ کے لیے لیٹ گئے۔ اچانک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا کہ رسول اللہؐ انھیں پکار رہے ہیں۔ جب صحابہ کرام آپؐ کے پاس آئے، تو دیکھا کہ ماجرا ہی کچھ اور ہے۔ آپؐ کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرا م رضی اللہ عنہم سے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے۔ جب آپؐ نیند سے بیدار ہوئے؛ تو دیکھا کہ ایک دیہاتی (غورث بن الحارث) آپؐ کی تلوار (جو درخت پر لٹکی تھی) کو میان سے باہر نکالتے ہوئے آپؐ سے کہتا ہے کہ ’’تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟‘‘ اس پر آپؐ نے جواب دیا کہ ’’اللہ‘‘۔ اس کے بعد آپؐ نے اس دیہاتی کو بغیر کسی سزا اور انتقام کے رہا فرما دیا۔ (صحیح البخاری عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما: ۴۱۳۵)۔

ایک خون کا پیاسا دشمن برہنہ تلوار ہاتھ میں لیے سامنے کھڑا ہے، اس خطرناک حالت کے باوجود ذرہ برابر خوف وہراس اور گھبراہٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے ظاہر نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی اطمینان وسکون کے ساتھ جواب دیا۔ وہ دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توکل علی اللہ کے رعب، صبر واستقلال اور شجاعت وبہادری سے مرعوب وخائف ہوکر لرزنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گرگئی۔ یہ واقعہ رسول اکرمؐ کی شجاعت وبہادری اور اعتماد وتوکل علی اللہ کا بہترین نمونہ ہے۔ پھر اس دیہاتی سے انتقام نہ لینا، اس کو معاف کردینا اور بغیر کسی سزا دیے رہا کردینا، آپؐ کے عفو ودرگزر کی اعلی مثال ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ خوب صورت، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ (پھر آپ کی بہادری کی مثال بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ) ایک بار اہالیان مدینہ منورہ رات میں (کسی آواز کی وجہ سے) گھبرا گئے۔ جدھر سے آواز آرہی تھی، لوگ اس طرف چل پڑے۔ (یہ بہادری کی بات تھی کہ بغیر کسی کو ساتھ لیے، گردن میں تلوار لٹکائے تنہا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے پہلے اس آواز کی سمت میں جا چکے تھے۔ آپؐ کی ان لوگوں سے (لوٹتے ہوئے) ملاقات ہوئی؛ جب کہ آپؐ فرما رہے تھے: ’’مت گھبراؤ، مت گھبراؤ!‘‘ (اس لیے کہ آپؐ اس طرف سے دیکھ کر آچکے تھے، ادھر کچھ بھی نہیں تھا۔) (صحیح البخاری: ۶۰۳۳)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ’’جب جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور ایک قوم کا دوسری قوم سے مقابلہ ہوتا، تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی شخص رسول اللہؐ سے زیادہ قریب دشمن سے نہیں ہوتا۔'' (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۷/ ۱۳۴، السنن الکبریٰ للنسائي: ۸۵۸۵) عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں: ''جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی فوجی دستہ سے آمنا سامنا ہوتا، تو حملہ کرنے والوں میں آپ اوّل نمبر پر ہوتے''۔ (أخلاق النبي وآدابه لأبي الشیخ الأصبهاني ۱/ ۳۲۷) حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ''بدر کے دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں، مشرکین سے اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ اس دن آپؐ نے نہایت ہی سخت اور شدت کی جنگ کی اور کوئی بھی شخص آپ سے زیادہ قریب مشرکین سے نہیں تھا''۔ (سبل الهدی والرشاد في سیرة خیر العباد ۷/ ۴۶) غزوۂ حنین کے دن، جب مسلمانوں نے میدان چھوڑ دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا میدان میں جمے رہے اور دشمنوں کو للکارتے رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباسؓ فرماتے ہیں: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (جنگ) ''حنین کے دن'' موجود تھا۔ میں اور ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ تھے، ہم آپ سے جدا نہیں ہوئے۔ رسول اللہؐ اپنے سفید خچر پر سوار تھے۔ فَرْوہ بن نُفاثَة جُذامی نے آپ کو وہ خچر ہدیہ کیا تھا۔ جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مقابلہ ہوا، تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ رسول اللہؐ نے کفار کی طرف اپنے خچر کو ایڑ مارنا شروع کیا (تاکہ وہ دوڑے)۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کا لگام پکڑ کر اسے تیز دوڑنے سے روک رہا تھا۔ ابوسفیان آپ کی رکاب تھامے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عباس! آپ اصحاب سمرة (وہ صحابہ کرام جنھوں نے حدیبیہ میں بیعت رضوان کی تھی) کو آواز دیجیے!'' حضرت عباس فرماتے ہیں کہ وہ بلند آواز آدمی تھے، چناں چہ انھوں نے بلند آواز سے پکارا: اصحاب سمرة کہاں ہیں؟ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ بخدا جب انھوں نے میری آواز سنی؛ تو وہ اس طرح پلٹے جیسا کہ گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے۔ پھر انھوں نے ''یالبیک، یالبیک'' کہہ کر جواب دیا۔ فرماتے ہیں کہ پھر انھوں کافروں سے جنگ کی۔ انھوں نے انصار کو بھی بلایا، انھوں نے کہا: ''اے انصار کی جماعت! اے انصار کی جماعت!۔ پھر بنو حارث بن خزرج کو بھی بلایا۔ انھوں نے کہا: ''اے بنو حارث بن خزرج! اے بنو حارث بن خزرج! پھر رسول اللہؐ ان کی جنگ کا منظر دیکھ رہے تھے؛ جب کہ آپ اپنے خچر پر سوار تھے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''ابھی لڑائی سخت ہے اور جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کنکریاں اٹھائی اور آپؐ نے انھیں کفار کی سمت پھینکا۔ پھر فرمایا: ''محمد کے ربّ کی قسم! وہ سب شکست کھا گئے''۔ راوی کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ جنگ جاری ہے، جو میں نے دیکھا۔ پھر کہتے ہیں: بخدا! انھوں نے کنکریاں ان کی طرف پھینکی؛ چناں چہ ان کا زور ٹوٹ گیا اور پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے'' (صحیح بخاری: ۱۷۷۵)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جس طرح کے واقعات یہاں پیش کیے گئے ہیں، اس طرح اور بھی واقعات ہیں۔ ان واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرمؐ بڑے بہادر اور شجاع انسان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح کا ذرہ خوف محسوس نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے مختلف مواقع سے اپنی شجاعت وبہادری اور دلیری کے ایسے نمونے پیش کیے کہ کوئی بھی حقیقت پسند شخص، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت وبہادری کا انکار نہیں کرسکتا۔

☆☆☆☆☆☆

حقائق

قضیۂ فلسطین ---- حقائق اور مضمرات

مفتی رحمت اللہ ندوی

مقدس سرزمین فلسطین کے لئے دنیا کے ہر مسلمان کے دل میں ایک عظیم اور بلند مقام ہے۔ اس کی عظمت وتقدس کا رشتہ ہر صاحب ایمان سے قائم ،مضبوط اور مستحکم ہے، کیوں کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے واضح اور صریح نصوص کی بنیاد پر وہ مقدس اور مبارک سرزمین ہے۔ مسلمانوں کا قبلۂ اول اور تعمیر کے اعتبار سے دوسری اور اسلام میں مقام ومرتبہ کے لحاظ سے تیسری مسجد، مسجد اقصیٰ وہاں موجود ہے، ارض فلسطین نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے اسراء ومعراج کی سرزمین ہے، یہ معراج کی پہلی منزل اور اس کا نقطۂ آغاز ہے، یہاں تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی، یہ انبیاء کی سرزمین ہے، قرآن کریم میں مذکور بہت سے انبیاء کی ولادت اسی سرزمین پر ہوئی اور یہی ان کا مسکن رہی ، پھر مرقد و مدفن بھی بنی، آئندہ محشر (حساب وکتاب) اور منشر (دوبارہ اٹھائے جانے) کی زمین بھی بنے گی، یہاں قیام کرنے والا اگر احتساب کی نیت سے رہے تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے، اس سرزمین کی طرف سفر کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ فضیلت بھی ہے، یہی سرزمین ہی اس گروہ کا مرکز ہے جس کے بارے میں زبان نبوت نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ وہ غالب رہے گا اور قیامت تک ثابت قدم رہے گا، ان تمام اسباب ووجوہ کی بنا پر ہر مسلمان کا اس سے قلبی تعلق اور رشتہ ایک فطری بات ہے۔

لیکن اس سرزمین اور وہاں موجود مسجد اقصیٰ کی کہانی بہت طویل اور انتہائی تکلیف دہ ہے، اس کے نصیب میں کبھی خوشیاں آئیں تو کبھی اس کے افق پر رنج والم اور شدائد ومحن کے گھنیرے بادل منڈلائے ،خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب کے دور میں حضرت عمرو بن عاصؓ کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوا،تو کبھی حضرت سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ۸۸ رسال کے بعد واگزار کیا، ایوبی فتح کے بعد تقریباً ۷۶۱ رسال تک بیت المقدس مسلمانوں کی تولیت ونگرانی اور ان کی حکمرانی میں رہا، پھر عیسائیوں کا تسلط ہوا، یورپ کے یہودیوں نے انیسویں صدی میں دوبارہ فلسطین آباد کرنا شروع کردیا۔

اس سرزمین کی مختصر تاریخ اور کہانی کچھ یوں ہے کہ ۳۰۰ر قبل مسیح یبوسیوں نے اس کو آباد کیا، ۱۸۵۰ر قبل مسیح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آمد اور وہاں کے بادشاہ سے ملاقات ہوئی ۹۷۰-۹۳۱ر ق م القدس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت رہی اور ۵۸۶ر ق م بخت نصر کا حملہ ہوا اور بیت المقدس کو تباہ و برباد کرکے چار ہزار یہودیوں کو قیدی اور اسیر بنا لیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے باقیات کو لوٹ لیا، محلات کو جلادیا، ۱۳۵ر میں رومی بادشاہ ہدریان نے یہاں سے یہودیوں کو نکال باہر کیا تھا۔ ۴۰۰ - ۶۳۶ر القدس بازنطینی حکومت کے زیر نگیں رہا، ۶۳۶ر میں مسلمانوں نے معرکہ یرموک کے بعد اس کو آزاد

کرایا۔ ۶۳۸ء میں ۴۰۰۰ ہزار صحابہ کرام نے اسے فتح کیا اور یہاں کے پادری صفرونیوی نے شہر کی چابیاں حضرت عمرؓ کے حوالہ کیا۔ ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں نے اس پر قبضہ کرلیا اور ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے معرکۂ حطین کے موقع پر اس کو آزاد کرایا۔ ۱۲۶۰ء میں معرکۂ عین جالوت ہوا جس میں تاتاریوں سے اس کو آزاد کرایا گیا۔ ۱۵۶۱ء میں خلافت عثمانیہ نے اپنا حصہ بنالیا اور ۱۹۱۷ء میں خلافت عثمانیہ کا سقوط ہوا تو انگریزوں نے قبضہ کرلیا، اسی سال وعدۂ بالفور ہوا اور یہودی ریاست کے قیام کا منصوبہ بنایا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں ۷۸ % علاقوں پر ناجائز قبضہ ہوا، اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں باقی ماندہ حصوں پر بھی قبضہ جمالیا گیا۔

۱۹۸۷ء میں یہودیوں کے خلاف اس ناجائز اور غاصبانہ قبضہ پر جدوجہد کا اعلان ہوا، جو تحریک آزادیٔ فلسطین اور آزادیٔ بیت المقدس کے نام پر آج تک جاری ہے۔

یہودی قوم کی خباثتوں، ان کی شرمناک سازشوں اور غیر انسانی حرکتوں کی سزائیں ان کو ملیں پھر بھی یہ قوم سدھرنے اور اپنی حالت بدلنے کے بجائے انسانیت کے خلاف سخت انتقامی جذبات میں مبتلا ہوتی گئی، حتیٰ کہ اس نے تمام مذاہب اور ان کے ماننے والوں سے انتقام کا فیصلہ کرلیا غیر یہودیوں کے سلسلہ میں خود ان کی کتاب ''تلمود'' میں ہے: ''ہر چیز کو ڈھادو، ہر پاک کو نجس کردو، ہر سبزہ کو جلادو، تاکہ اسی پیسہ سے کسی یہودی کی مدد کرو'' یہ بھی ہے کہ ''یہودیوں کے علاوہ جس کو قتل کرسکتے ہو اسے قتل کردو'' ''ہر دن یہودیوں کے علاوہ تمام مذاہب کے بڑوں کو دن میں تین مرتبہ گالی دیا کرو''۔ یہودی پروٹوکول میں ہے: ''گوئیم (ان پڑھ، حقیر، اچھوت) کو خدا نے گدھا بنایا ہے، یہ اللہ کی منتخب کردہ قوم کے لئے گدھے ہیں، ایک گدھا مرجائے، دوسرے کی سواری کرو۔''

ان چند جملوں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ قوم انسانیت سے کس قدر عاری اور دور ہے، پھر اس سے کسی انسانیت کی توقع ہی فضول ہے، جب ان کی مذہبی کتابوں میں یہ تعلیم اور تلقین ہے تو پھر کیا کہنا؟ ۱۹۱۷ کے انقلاب سے پہلے جو قرارداد انہوں نے جاری کی، اس میں سے ایک قرارداد یہ تھی کہ ''سرزمین فلسطین پر یہودیوں کے لئے وطن بنایا جائے گا'' ان خبیثوں نے دنیا کو مذہبی و اخلاقی طور پر تباہ کیا، مذہبی آزادی کا چھوٹا نعرہ دیا تاکہ لوگ اپنے مذہبی تعلیمات کے اظہار میں شرم محسوس کریں، ہم جنسی اور نشہ کو فروغ دیا تاکہ نوجوانوں کی نگاہ میں کسی چیز کا تقدس باقی نہ رہ جائے اور اخلاقیات کو تہس نہس کردیں اور نشہ پلاکر دنیا پر قبضہ کرلیں۔

یہودیوں نے اپنی ریاست کی تشکیل و تعمیر کے لئے فلسطین کا انتخاب اس لئے کیا کہ فلسطین یورپ، ایشیاء اور افریقہ کا سنگم ہے اور وہ دنیا کی تمام طاقتوں کے لئے مرکزی محور اور پوائنٹ ہے اور اس لئے بھی کہ دنیا پر غلبہ کے لئے وہ مرکزی اسٹریٹیجک مقام ہے۔ یہودیوں کے سامنے دیگر مقامات کی تجویز بھی رکھی گئی لیکن یہودی لیڈر ''وائزمین'' نے برطانیہ کے وزیراعظم سے کہا تھا: ''اگر موسیٰ بھی آکر یہودیوں کو فلسطین کے علاوہ کسی اور جگہ کو اختیار کرنے کی دعوت دیں تو کوئی یہودی اس کو قبول نہیں کرے گا۔''

۱۸۸۲ میں سلطان عبدالحمید سے یہودیوں نے فلسطین میں رہائش کے لئے درخواست پیش کی تھی تو سلطان کا جواب یہ تھا: ''عثمانی حکومت تمام یہودیوں کو جو ترکی ہجرت کرکے آنا چاہتے ہیں مطلع کرتی ہے کہ انہیں فلسطین میں قیام کی اجازت نہیں ہے۔''

اس کے بعد یہودیوں کے سینہ میں آگ لگ گئی وہ بار بار

وفود بھیجتے رہے، امریکی سفیر سے بھی سفارش کروائی تو پھر سلطان کا جواب یہی تھا کہ ”جب تک عثمانی سلطنت قائم ہے میں یہودیوں کو فسلطین میں رہنے کی اجازت نہیں دوں گا“۔

قصہ مختصر یہ کہ ۱۹۰۲ میں سلطان سے بڑی مالی پیش کشیں کی گئیں لیکن سلطان نے کہا: میں اس سرزمین کی ایک بالشت زمین سے بھی دست بردار نہیں ہوسکتا، جو میری ملکیت نہیں ہے، میری قوم کی ملکیت ہے، میری قوم نے اس کے لئے جہاد کیا اور اپنے خون سے اسے سیراب کیا، لہٰذا یہودی اپنے ملین بلین اپنے پاس رکھیں، ہاں جب میری سلطنت کے ٹکڑے ہوجائیں گے، اس دن وہ بغیر قیمت کے فلسطین لے سکیں گے۔ جب تک میں زندہ ہوں تو میرا جسم کاٹنا میرے لئے اس سے آسان ہے کہ فلسطین کو اپنی سلطنت سے کٹا ہوا دیکھوں، یہ نہیں ہوسکے گا، ہم جیتے جی اپنا پوسٹ مارٹم نہیں ہونے دیں گے“۔

مگر افسوس! اپنے ہی ہاتھوں اپنے ہی یہودی الاصل گھس پیٹھیوں نے سلطان کو معزول کردیا۔ گرفتار کرلیا، بدنام کیا، ۱۹۲۰ میں ”ہرزل“ کی ڈائری چھپی تو راز فاش ہوا، لیکن بہت دیر ہوچکی تھی۔

فلسطین کو یہودی حکومت کے لئے اختیار کرنے کے پیچھے یہ محرک تھا کہ یہ ہیکل سلیمانی کی سرزمین ہے، داؤد اور سلیمان نے شہر القدس میں ۱۰۴۰ سے ۹۷۰ ق م تک ستر سال حکومت کی۔ ۱۹۰۹ میں سلطان کی معزولی کے بعد ترکی کی ماسونی نوجوان تنظیم کے ساتھ انجمن اتحاد و ترقی نے حکومت پر قبضہ کرلیا اور یہودیوں کے فلسطین میں داخل ہونے کی بنیاد پڑگئی، پھر آہستہ آہستہ ان کا عمل دخل اور قبضہ بڑھتا ہی چلا گیا، داستان بہت طویل اور دلخراش ہے۔ ۱۹۶۷ میں اقوام متحدہ کی دو تہائی اکثریت کے ساتھ فلسطین کی تقسیم کی قرارداد پاس کرلی گئی، اور اپریل ۱۹۴۷ سے فلسطینی شہروں کا سقوط شروع ہوگیا۔ حتیٰ کہ ۱۴/مئی ۱۹۴۸ء میں یہودیوں کی اعلیٰ کونسل کا ۴/بجے شام کوتل ابیب کے میوزیم میں اجلاس منعقد ہوا، اور اسرائیلی حکومت کے قیام کا اعلان ہوا، سب سے پہلے امریکہ نے اسے تسلیم کرلیا پھر دیگر ممالک تسلیم کرتے گئے۔ بہر حال فلسطین کی سرزمین پر اسرائیلی حکومت کا قیام، ایک خوفناک اور زہرناک عالمی ڈرامہ تھا جسے اسٹیج کرنے کے لئے اصل دشمنوں اور منافقوں نے جو کچھ کیا، وہ تاریخ فلسطین سے واقف کار کے سامنے ہے، یہ خونی ڈرامہ اور سازشوں کا شیطانی کھیل مسلسل جاری رہا، حتیٰ کہ شیخ احمد یاسین (جو معذور تھے) کی قیادت میں ۱۹۸۸ء میں مقابلہ کی تحریک (انتفاضہ) شروع ہوئی، جس میں تمام فلسطینی تنظیمیں: حماس (حركة المقاومة الاسلامية) تنظیم الجہاد اور المقاومة الفلسطينية المنظمة وغیرہ شریک ہوئیں، بیچ بیچ میں فلسطین کو آزاد کرانے والی تحریکوں کو کچلنے اور ختم کرنے کی کوششیں بھی جاری رہیں، بالآخر ۱۹۸۰-۹۷ء میں افغانستان کے جہاد سے متاثر ہوکر فلسطین میں مجاہدوں نے پھر جہادی کاروائیاں شروع کیں اور سب سے زیادہ قوت اور تنظیم کے ساتھ حماس نے کارروائیاں کیں، اس نے یہ اعلان بھی کردیا کہ وہ الاخوان المسلمین کی ایک شاخ ہے، اس سے گھبرا کر عرب حکومتوں نے لادینی عناصر کو متحرک کیا اور فلسطین حکومت کے قیام کا اعلان کردیا اور ایک مہینہ کے اندر ہی پچاس حکومتوں نے اس کو تسلیم کرلیا اور امریکہ نے یاسر عرفات کو امریکہ بلا کر یہودی حکومت کو تسلیم کرنے کا قول و قرار بھی کرادیا۔ ۸/دسمبر ۱۹۸۷ء میں شیخ احمد یاسین کی قیادت میں شروع ہونے والی تحریک ”انتفاضہ“ (تحریک انقلاب) ۱۹۹۳ء تک پوری قوت کے ساتھ سرگرم عمل رہی، لیکن ۲/اگست ۱۹۹۰ء میں کویت پر عراقی حکومت کے حملے نے

عربوں کو تتر بتر کر دیا، دوسری طرف سوویت یونین کے ۱۹۹۰ء میں زوال کے بعد اور ۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ کے بعد امریکہ دنیا کی سب سے بڑی منفرد طاقت بن گیا۔

۲۰۰۹ء میں غزہ پر اسرائیل ناکہ بندی کے دوران اسرائیل نے غزہ پر حملے کئے، دنیا اسرائیل کی مدد کرتی رہی اور حماس کی مدد کے لئے عرب ممالک کی منافق حکومتیں آگے کیا بڑھتیں وہ بھی حماس کے خلاف کارروائیوں میں ملوث رہیں جیسا کہ حالیہ جنگ میں ہو رہا ہے کہ دہشت گرد اسرائیل کی دہشت گردی اور بے انتہائی ظلم وستم کی گواہ پوری دنیا ہے، وہ حیوانیت اور بربریت کی تاریخ رقم کر رہا ہے، انسانیت سے عاری یہ خونخوار درندے بھوکے شیر کی طرح غزہ پر بے تحاشہ بمباری کرکے اپنے شیطانی جذبات کو تسکین پہنچا رہے ہیں اور فلسطینیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رہے ہیں، یہ ذلیل وخوار اور کمینہ صفت لوگ اصل باشندوں کو ہی بے دخل کرنا چاہتے ہیں جو ان کے محسن ہیں، دنیا کا کوئی ملک ان خبیث یہودیوں کو اپنے ملک میں بسانے اور جگہ دینے کے لئے تیار نہ تھا، یہ دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے تھے اور آج غاصبانہ قبضہ کرکے خود اصل مالک بن بیٹھے ہیں، اور اصل فلسطینی باشندوں کو حاشیہ پر ڈال دیا ہے، ان کے سر سے چھت چھین لی ہے، تین تین فلسطینی نسلیں خیموں اور کیمپوں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں، پوری پوری آبادی کو ڈائنامنٹ اور زمین بوس کر دیا گیا ہے، اور وہ کھنڈر میں تبدیل ہوگئی ہیں، کیسی کیسی ہولناک تصویریں وائرل ہو رہی ہیں اور دلدوز مناظر سامنے آ رہے، اور خون آشام حالات اور خون آلود جسم دکھائی دے رہے ہیں، معصوم بچے، عورتیں اور بوڑھے و کمزور لوگ شہید ہو رہے ہیں، لاشوں کا ڈھیر لگایا جا رہا ہے، اسپتالوں پر بم برسائے جا رہے ہیں، ان خوفناک مناظر کو دیکھ کر دل دہل جاتا ہے اور آنکھیں چھلک پڑتی ہیں۔ عام زندگی کا شیرازہ بکھر چکا ہے، فلسطینیوں کو علاج ومعالجہ نصیب نہیں، ترجیحی بنیاد پر علاج ہو رہا ہے کہ جو زیادہ زخمی ہیں پہلے ان پر توجہ دی جا رہی ہے، علاج کی سہولیات تو درکنار، ضروری دوائیں فراہم نہیں، غذائی اجناس کا شدید بحران ہے، کھانے پینے کا معاملہ نہایت سنگین ہے، صاف وشفاف پانی تک نہیں مل رہا ہے، بوند بوند قطرے کے لئے ترس اور تڑپ رہے ہیں، پورا غزہ ملبوں میں تبدیل ہو چکا ہے، لیکن دنیا کی ریاستیں اندھی، بہری بن چکی ہیں اور مہذب دنیا کے انسان نما درندے اور بھیڑیا صفت حکمراں تماشائی بنے ہوئے ہیں، عقل محو حیرت اور دنگ ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔

دنیا خاموش اس نسل کشی کا مشاہدہ کر رہی ہے جس کا فلسطینی شہریوں کو سامنا ہے، گویا کتے چھوڑے جا رہے ہیں اور شیطان رقص کر رہا ہے، اس بھیانک صورت حال پر نام نہاد مسلم ممالک کے حکمرانوں پر نہ جوں رینگ، نہ کسی کا خون کھول رہا ہے اور نہ کسی طرح کا کوئی فرق پڑ رہا ہے، جب کہ قضیۂ فلسطین کسی ایک ملک یا ایک سر زمین یا وہاں کے باشندوں کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ تمام مسلمانان عالم کا مسئلہ ہے، فلسطین اور مسجد اقصیٰ کی آزادی امت مسلمہ پر قرض ہے اور اس قرض کی ادائیگی فرض ہے، اگر مسلمانوں نے اس میں کوتاہی کی تو خبیث اور مجرم یہودیوں کے قبضہ اور تسلط سے بلاد حرمین اور جزیرہ العرب بھی محفوظ نہیں رہے گا، (لا قدر اللہ ذلک) یہ یہودیوں کے ناپاک عزائم میں شامل ہے اور وہ بالتدریج اپنے منصوبہ کو تکمیل تک پہونچانے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں، اللہ کرے ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہو اور ہم اسرائیل کی ناجائز اور غاصبانہ ریاست کا زوال اور خاتمہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ قضیۂ فلسطین کا واحد حل مزاحمت اور جہاد ہی ہے، اسی کے ذریعہ اسرائیل کو بے دخل کیا جا سکتا ہے اور یہ بہت ضروری ہے، تقسیم کا فارمولا کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہونا چاہئے فلسطین کے اصل مالک اور باشندے فلسطینی ہیں، یہودی غاصب اور قابض ہیں، باہر سے آئے ہوئے دشمن ہیں، کوئی بھی شخص اپنے گھر کا

کوئی ایک حصہ تقسیم کر کے باہر سے آئے ہوئے دشمن کو نہیں دینا چاہے گا، اور نہ تیسرے شخص کو محض اپنی طاقت کے بل بوتے ہر کسی کمزور کا گھر بانٹ کر اس کے دشمن کو دینے کا اختیار ہے، اگر کسی کو بہت ہمدردی ہو تو وہ لے جائے اور اپنے گھر میں بسائے۔ فلسطین پوری امت مسلمہ کی امانت ہے، جس طرح قدس کے بغیر فلسطین بے جان یا بے سر جسم کے مانند ہے اسی طرح فلسطین کے بغیر امت کا تصور ناقص، نامکمل، ناتمام اور ادھورا ہے۔ سلام ہے ان جیالوں اور جانبازوں وجاں نثاروں کی عظمت وعزیمت کو، ان کے عزم وحوصلہ کو جو مکمل فلسطین کے لئے نہ صرف جد وجہد بلکہ جہاد ومجاہدہ کر رہے ہیں اور اپنی جان ومال اور نسلوں کا نذرانہ پیش کر کے غاصب اور گھس پیٹھیوں کے مکمل انخلا کے لئے بڑی قربانیاں دے رہے ہیں، ان کا بچہ بچہ ارض مقدس کی آزادی کے لئے جام شہادت ہاتھوں میں لئے پھرتا ہے، ان کی مائیں شوق شہادت کے جذبات سے سرشار ہیں، اور اپنی جان لٹانے اور خود کو فدا کرنے کے لئے وہاں کا ہر مسلمان بے چین وبے قرار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر ہو اور جلد ان کو فتح ونصرت اور غلبہ عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆

﴿بقیہ صفحہ ۳۲ کا﴾ ۔۔۔۔۔ ناگاہ اسی میں گری اور مرگئی، یہ ہے انجام اللہ والوں کو تکلیف پہونچانے کا (مشکوۃ والمصابیح)۔

باطل طریقہ سے کسی کا مال کھانا اللہ کے نزدیک بہت معیوب عمل ہے، سوید بن غفلہؓ ایک صحابی ہیں، وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور مجھے راستہ میں دینار کی ایک تھیلی گری ہوئی ملی، جب میں نے اس کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ سال بھر اس کا اعلان کرو، چنانچہ میں نے ایسا کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آیا، تو دوسرے اور تیسرے سال رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے اعلان کرنے کے لئے کہا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل اس کے مالک تک پہونچانے کی تاکید فرمائی، تاکہ انسان غلط مال اپنے جسم میں غذا کے ذریعہ داخل کرنے والا نہ ہو جائے، اخیر میں فرمایا کہ اگر نہ ملے تو استعمال کر سکتے ہو (مسلم شریف، بروایت سلمہ بن کہیل)۔

مسلم شریف میں ایک قصہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے ایک زمین خریدی، خریدنے والے نے اس میں سونا بھرا مٹکا پایا، وہ بیچنے والے کے پاس آیا، اور کہا کہ یہ سونے کا مٹکا آپ کا ہے، لے لیجئے، میں نے آپ سے زمین خریدی ہے، یہ سونا نہیں خریدا ہے، بیچنے والے نے کہا کہ میں نے زمین اور زمین کی تمام چیزیں آپ کو بیچ دی ہیں، دونوں قاضی کے پاس گئے، قاضی نے پوچھا کہ کیا تم دونوں کی اولاد ہے؟ ایک نے کہا کہ میرا لڑکا ہے دوسرے نے کہا کہ میری لڑکی ہے، قاضی نے کہا کہ دونوں کا نکاح کرا دیتے ہوں، اور ان دونوں پر یہ مٹکا خرچ کردو، (بروایت ابو ھریرہ، باب استحباب اصلاح الحاکم بین الخصمین) دونوں کو اللہ کا خوف اس قدر تھا کہ ناجائز مال کو استعمال کرنا ممکن نہیں تھا۔

اس دور کا المیہ یہ ہے کہ انسان نیکیوں کے حاصل کرنے کا بڑا شوقین ہے، لیکن اس کی فکر اس جانب نہیں جاتی کہ نیکیوں کو بچانا بھی ضروری ہے، اگر نیکیوں کا بچانا پیش نظر رہا، تو اللہ کی رحمت ہر آن ہمارے ساتھ رہے گی، صحابہ کرامؓ زیادہ نفلی روزوں اور نمازوں والے نہیں تھے، چونکہ ایمان ان کے رگ وریشے میں سرایت کر چکا تھا، اس لئے وہ حلال وحرام کا خوب علم رکھتے تھے، اور اس کے مطابق زندگی گزارتے تھے؛ ناجائز طریقہ پر کسی کا مال کھانا اللہ کے نزدیک بہت برا عمل ہے، اور جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

جسم وروح کے تقاضوں پر عمل کرنے سے صرف دونوں کا نظام ہی صحیح نہیں رہتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اور یہی ایک مومن کی معراج اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلائے۔

☆☆☆☆☆☆

مسلمہ حقیقت

حقیقی کامیابی کاراز

ڈاکٹر محمد فرمان ندوی

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہر مومن کی آخری خواہش ہوتی ہے، وہی اس کی کامیابی کا رمز اور علامت ہے، یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے، جو عقل وشریعت کے بالکل مطابق ہے، اسلام میں کامیابی کا معیار مال ومنال، جاہ وحشم، عہدے اور مناصب کو نہیں قرار دیا گیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مطابق عمل کر کے جنت حاصل کرنا ہی کامیابی کی کسوٹی اور اس کی میزان ہے: ''فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ، وَمَاالْحَياةُ الدُّنْيَا اِلَّامَتَاعُ الْغُرُوْرِ'' [آل عمران:۱۸۵] (جو جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے، اور دنیوی زندگی تو دھوکہ کا سودا ہے) اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے دین وشریعت کا نظام بنا، دین وشریعت اللہ کا عطا کردہ عظیم انعام ہے، اس میں ہر مشکل کا حل، اور ہر درد کی دوا موجود ہے۔

دین وشریعت کے اصل سرچشمہ قرآن کریم نے دو چیزوں کو بقاء ودوام کا ذریعہ (قِيَاماً لِلنَّاسِ) قرار دیا ہے، ان کے ذریعہ سے یہ سلسلہ روز وشب قائم ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان جسم و روح سے مرکب ہے، جسم کے الگ تقاضے ہیں، جو نامیاتی اشیاء سے متعلق ہیں یعنی آگ، پانی، ہوا وغیرہ، سورۂ نساء میں ہے: ''وَلاَ تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيَاماً'' [نساء:۵] (اور نا سمجھوں کو اپنے مال حوالہ نہ کروں، جس کو اللہ نے تمہارے لیے گذر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے)، اگر مال نہ ہو تو انسان کا نظام جسمانی متاثر ہو اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے، دوسری طرف انسان روح سے زندہ ہے، اور روح کی غذا اور مطالبات جسم سے مختلف ہیں، اور سورہ مائدہ میں ہے: ''جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ۔ (اور اللہ نے عظمت والے گھر 'کعبہ' کو لوگوں کے لیے قیام کا ذریعہ بنایا ہے) [مائدہ:۹۷] مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ فرماتے تھے: ''نظام عالم بیت اللہ سے قائم ہے''، یہ حقیقت ہے کہ اگر بیت اللہ کا پیغام (توحید و رسالت و آخرت وغیرہ) نہ ہو تو اس نظام کے باقی رہنے کا کوئی جواز نہ عقلاً ہے اور نہ قانوناً، یہی پیغام روح کی غذا اور اس کا اصل سرمایہ ہے، اسی سے روح زندہ، متحرک اور حرارت سے پر رہتی ہے، جسم وروح کے دونوں تقاضے (کسب مال اور اصلاح عقائد) ان کے کلیدی کردار رکھتے ہیں، بلکہ انہیں پر ان کی موت وزیست کا انحصار ہے، اس لیے دونوں کی اصلاح کی فکر ہر باشعور افراد کی ذمہ داری ہے۔

مال کا حصول انسانی زندگی کے بقاء کے لئے ضروری ہے، قرآن قریم نے مال کا تذکرہ کہیں ''فضل'' اور کہیں ''خیر'' کے لفظ سے کیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ جب اللہ کے ذکر سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کے فضل کو تلاش کروں [جمع:۱۰] اور ایک حدیث میں فرمایا گیا: الْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللهِ (مال کمانے والا اللہ کا محبوب ہے) کیونکہ وہ اپنے اہل وعیال کی کفالت کے لئے روزی کا انتظام کر رہا ہے، لیکن

یہ اسی وقت ممکن ہے جب صحیح اصولوں پر ہو، اس کو بغیر شریعت کی گہری واقفیت کے نہیں سمجھا جاسکتا۔

شریعت میں حلال وحرام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اسی پر اعمال کی قبولیت کا انحصار اور جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے نجات پانے کا دارومدار ہے، قرآن کریم میں حلال وحرام کی بے شمار آیتیں موجود ہیں، ان کو آیات احکام کہا جاتا ہے اور وہ علم علم تشریع کے نام سے متعارف ہے، حدیث شریف میں اس کا بڑا ذخیرہ موجود ہے، لیکن اسی کے ساتھ حدیث میں آیا ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اسکی قطعاً پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ حلال کھارہا ہے یا حرام، جب کہ حلال وحرام اس کے سامنے واضح ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ اور ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا" [مومنون:۵۱] (اے رسولوں! پاکیزہ مال کھاؤ اور نیک عمل کروں)، اور "يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ" [بقرہ:۱۷۲] اے ایمان والوں! ہمارے دیئے پاکیزہ مال کو کھاؤ)۔

ہر غذا کی ایک تاثیر ہوتی ہے، حرام غذا سے جو گوشت اور خون تیار ہوتا ہے، اس میں بہت سی برائیاں ہوتی ہیں، اس سے اخلاق خراب ہوتے ہیں، گناہوں کی طرف میلان ہوتا ہے، دل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے، اولاد پر اس کا غلط اثر پڑتا ہے، عبادت میں طبیعت نہیں لگتی ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ" (وہ جسم جنت میں داخل نہیں ہوگا، جس کی حرام مال سے پرورش ہوئی ہے)، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پاک ہیں، اور پاک مال کو قبول کرتے ہیں، اللہ نے ایمان والوں کو اسی کا حکم دیا ہے، جس کا رسولوں کو حکم دیا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا تذکرہ فرمایا اور دور دراز علاقے سے پراگندہ حال اور پراگندہ بال مکہ مکرمہ کا سفر کرتا ہے، غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعا کرتا ہے، اور کہتا ہے اے رب! اے رب! اور اس کا کھانا حرام، اور پینا حرام، اور اس کا لباس حرام، تو اس کی دعا کہاں قبول کی جائے گی؟ (صحیح بخاری)۔

حرام کھانے کی بہت سی صورتیں اور شکلیں ہیں، ان میں سود خوری، رشوت، قرض لے کر نہ دینا اور غاصبانہ مال لینا، ناپ تول میں کمی کرنا، اور خیانت کرنا، ان تمام کی حرمت قرآن وحدیث سے ثابت ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچوں: شرک، جادو، ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد سے بھاگنا، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا (متفقہ علیہ) یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"، (بقرہ:۲۷۵) اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا ہے)، اسلام سے پہلے تمام مذاہب میں سود کو حرام کیا گیا، لیکن قرآن نے بڑی شد ومد کے ساتھ اس کی حرمت کا اعلان کیا، سورہ بقرہ کی کئی آیتوں میں سود کی حرمت کا تذکرہ ہے۔

سود ان برائیوں میں ہے، جن کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی عذاب نازل کرتے ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی قوم میں زنا اور سود کی کثرت ہوگی تو گویا اس آبادی والوں نے اپنے اوپر عذاب الٰہی کو اتار لیا (طبرانی بروایت عبد اللہ بن عباس) اور مسند احمد کی روایت ہے کہ جب کسی قوم میں سود عام ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر قحط سالی بھیجتے ہیں۔

سود کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کم دے اور زیادہ وصول کرے، اسی حدیث میں بیان کیا گیا ہے: كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا

فَهُوَ رِبًا (ہر وہ قرض جو نفع کا پیش خیمہ ہو وہ ربا ہے) اس میں ایک آدمی کا فائدہ اور دوسرے کا نقصان ہوتا ہے، اور اسلام اس کی بالکل اجازت نہیں دیتا کہ انسان خود نقصان اٹھائے اور دوسرے کو نفع پہونچایا جائے (لا ضرر ولا ضرار)۔

آج کل ایک فیشن یہ ہوگیا ہے بینک میں ساری رقم رکھ دی جاتی ہے، وہ بظاہر اس میں محفوظ ہوتی ہے، اس سے جو منافع بشکل سود حاصل ہوتے ہیں، اسی پر پورا گذر بسر ہوتا ہے، یہ بڑے خطرہ کی بات ہے، بعض بزرگوں نے سود کو غلاظت سے تشبیہ دی ہے، اور یہ تشبیہ بجا ہے۔

دو چیزیں ایسی ہے جن پر خالق کائنات نے جنگ کا اعلان کیا ہے، ایک یہی سود خوری، جب انسان سود خوری کرتا ہے تو گویا وہ اللہ کے حکم کے خلاف بغاوت کر رہا ہے، اسی لئے اللہ کی غیرت جوش میں آتی ہے اور اس کے لئے وبال جان ہوتی ہے: فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ [بقرہ:۲۷۹] (اگر یہ لوگ سود سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار رہیں)، اور اللہ کا ارشاد ہے: اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبَا لَا يَقُوْمُوْنَ إِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ [بقرہ:۲۷۵] (جو سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے، جس طرح وہ اٹھتا ہے جو شیطان کے مس کرنے سے خبطی ہوگیا ہو)، علامہ اقبال نے کہا کہ:

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات

دوسری چیز اولیاء اللہ کو تکلیف پہونچانا، یہ بھی ایسا سنگین گناہ ہے کہ اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہے: مَنْ عَادَىٰ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ (جس نے میرے ولی سے دشمنی کی، میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں) (صحیح بخاری)۔

دوسری چیز جس پر نظام کائنات کا انحصار ہے، وہ عقائد ہے، علماء عقائد کے حامل، شارح اور ترجمان ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ علماء عقائد کی روشنی میں لوگوں کو صحیح بات بتاتے ہیں، چنانچہ ان کا وجود اس کائنات کی بقاء کا ذریعہ ہے، ایک حدیث میں علماء کو ستاروں کے مشابہ قرار دیا گیا ہے، (مسند احمد بن حنبل) اور ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی زینت (سورہ ملک:۵) مسافروں کو راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ (نحل:۱۶) اور شیاطین کو رجم کرنے کے لئے بنایا ہے (ملک:۵)، اس طرح اللہ والے، شریعت کے واقف کار دنیا میں جمال وخوبصورتی کا باعث، بھٹکے لوگوں کا راستہ دکھانے والے اور باطل کے سخت مخالف ہیں، ان کی شان میں گستاخی، بے ادبی اور بے قیدی سے صرف اعمال کے اکارت جانے کا خطرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گستاخ افراد کے خلاف اعلان جنگ ہے۔

حضرت سعید بن زیدؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ایک عورت نے جس کا نام اروی بنت اوس ذکر کیا گیا ہے، اس نے دعویٰ کیا کہ سعید نے میری زمین ہڑپ لی ہے، حضرت سعید کو سخت صدمہ ہوا، انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں کسی کی زمین ہڑپ لوں، جبکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے ایک بالشت زمین بھی ہڑپ لی، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں پہنائیں گے، پھر انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کی بینائی سلب کر لے، اور اسی زمین میں اس کی موت ہو، دعا قبول ہوئی، وہ عورت اندھی ہوگئی، ایک مرتبہ وہ اسی زمین پر چل رہی تھی، اور اس میں ایک کنواں تھا، 《بقیہ صفحہ ۲۹ پر》۔۔۔۔

اصلاحیات

مسلمان اور اخلاق

ابوعبداللہ ندوی

اخلاق انسانی زندگی کا ایک اہم جزو ہے، جو انسان کو صحیح اور غلط کے درمیان فرق بتاتا ہے اور اسے معاشرتی زندگی میں کامیاب بناتا ہے۔ اسلام، جو دین فطرت ہے، انسانی زندگی کے ہر پہلو کو شامل کرتا ہے، اور اخلاق کو اس کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ مسلمان ہونے کا مطلب صرف عبادات میں مشغول ہونا نہیں، بلکہ اپنے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا بھی ہے۔ اخلاق کی تعلیمات کا مقصد انسانوں کو بہتر انسان اور بہتر مسلمان بنانا ہے۔

اسلام میں اخلاق کی بنیاد

اسلامی تعلیمات میں اخلاق کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر، سورۃ لقمان میں والدین کے ساتھ حسن سلوک، صبر، شکرگزاری اور عاجزی کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسی طرح، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں بھی اخلاقی اصولوں پر زور دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اخلاق

قرآن مجید میں اخلاقی تعلیمات کا ذکر مختلف مقامات پر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: ''اور جو لوگ اپنے رب کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اپنے وعدے کا لحاظ رکھتے ہیں۔'' (سورۃ البقرۃ: ۱۷۷) یہ آیت ہمیں وعدے کی پاسداری کی تعلیم دیتی ہے، جو اخلاقیات کا ایک اہم جزو ہے۔

حدیث اور سنت میں اخلاق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اخلاقی تعلیمات کی بہترین مثال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں''۔ (ترمذی) یہ حدیث اخلاق کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے اور مسلمانوں کو بہترین اخلاق کا حامل بننے کی ترغیب دیتی ہے۔

مسلمان اور اخلاقی اصول

اسلامی تعلیمات میں کئی اہم اخلاقی اصول بیان کیے گئے ہیں، جو ایک مسلمان کی زندگی میں انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں دیانتداری، انصاف، رحم دلی، عفو و درگزر، اور صبر شامل ہیں۔

دیانتداری

دیانتداری ایک بنیادی اسلامی اخلاقی اصول ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھتے ہیں''۔ (سورۃ المومنون: ۸) یہ آیت دیانتداری کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے اور ہمیں ہر حال میں امانت داری کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کرتی ہے۔

انصاف

انصاف اسلامی معاشرت کا ایک اہم حصہ ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا: ''بیشک اللہ انصاف کا اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے''۔ (سورۃ النحل:۹۰) یہ آیت ہمیں انصاف کرنے کی تاکید کرتی ہے، چاہے معاملہ اپنے یا کسی دوسرے کے ساتھ ہو۔

رحم دلی

رحم دلی اسلام کی ایک اہم تعلیم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا'۔ (بخاری) یہ حدیث ہمیں رحم دلی کا درس دیتی ہے اور اس کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

عفو و درگزر

عفو و درگزر ایک اہم اسلامی اخلاقی اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور جو غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے''۔ (سورۃ آل عمران:۱۳۴) یہ آیت ہمیں غصہ پی جانے اور دوسروں کو معاف کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔

صبر

صبر اسلامی اخلاق کا ایک اہم حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ (سورۃ الانفال:۴۶) یہ آیت ہمیں مشکلات میں صبر کرنے کی تلقین کرتی ہے اور اللہ کی مدد کا وعدہ کرتی ہے۔

اسلام میں حقوق العباد

اسلام میں حقوق العباد کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ یہ حقوق ہمارے گردونواح کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاقی برتاؤ کا درس دیتے ہیں۔

والدین کے حقوق

قرآن میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے: ''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا''۔ (سورۃ لقمان:۱۴) یہ آیت والدین کے حقوق کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔

ہمسایوں کے حقوق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے''۔ (مسلم) یہ حدیث ہمسایوں کے حقوق کی اہمیت کو بیان کرتی ہے۔

دوستوں اور رشتہ داروں کے حقوق

اسلام ہمیں دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا درس دیتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو بھی''۔ (سورۃ بنی اسرائیل:۲۶) یہ آیت رشتہ داروں کے حقوق کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

مسلمان معاشرہ اور اخلاق

اسلامی معاشرت میں اخلاقی تربیت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہ تربیت خاندانی، تعلیمی، اور معاشرتی سطح پر دی جاتی ہے۔

خاندانی تربیت

خاندانی تربیت اخلاقی تعلیمات کی بنیاد ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اسلامی اخلاقی اصولوں کی تعلیم دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں

پوچھا جائے گا"۔(بخاری) یہ حدیث والدین کی ذمہ داری کو ظاہر کرتی ہے۔

تعلیمی ادارے اور اخلاقی تربیت

تعلیمی ادارے اخلاقی تربیت کا اہم ذریعہ ہیں۔ اسلامی مدارس اور سکولوں میں بچوں کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔

معاشرتی مسائل اور اخلاقی حل

معاشرتی مسائل جیسے بدعنوانی، رشوت، اور ظلم و زیادتی کو اسلامی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے۔

بدعنوانی

بدعنوانی ایک بڑا معاشرتی مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ"۔(سورۃ البقرہ:۶۰) یہ آیت بدعنوانی اور فساد سے بچنے کی تعلیم دیتی ہے۔

رشوت

رشوت ایک اور بڑا مسئلہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں"۔ (ابوداؤد) یہ حدیث رشوت کی حرمت اور اس کے نتائج کو بیان کرتی ہے۔

ظلم و زیادتی

ظلم و زیادتی ایک بڑا اخلاقی مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور ظلم نہ کرو، بیشک اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔(سورۃ آل عمران:۵۷) یہ آیت ظلم سے بچنے اور انصاف کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔

جدید دور میں مسلمان اور اخلاق

جدید دور کے چیلنجز اور مسائل کے باوجود، اسلامی اخلاقی تعلیمات کی روشنی میں ان کا حل ممکن ہے۔

جدید چیلنجز اور اخلاقی مسائل

جدید دور میں ٹیکنالوجی، سوشل میڈیا، اور عالمی ثقافت کے اثرات کی وجہ سے نئے اخلاقی مسائل پیدا ہوئے ہیں۔

ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا

ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا نے انسانی زندگی کو بہت آسان بنایا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ کئی اخلاقی مسائل بھی پیدا کیے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق، ہمیں ان مسائل کا حل اخلاقی اصولوں کی روشنی میں تلاش کرنا چاہیے۔

عالمی ثقافت اور اثرات

عالمی ثقافت کے اثرات نے مسلمانوں کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ہمیں اپنی اسلامی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے ان اثرات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

اسلامی اخلاقی تعلیمات کا اطلاق

اسلامی اخلاقی تعلیمات کا اطلاق معاشرتی اور کاروباری معاملات میں بھی ضروری ہے۔ ہمیں ہر حال میں دیانتداری، انصاف، رحم دلی، عفو و درگزر، اور صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

نتیجہ

اسلامی تعلیمات میں اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ایک مسلمان کے لیے نہ صرف عبادات بلکہ اخلاقی اصولوں پر عمل کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ اخلاقی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہم ایک بہتر انسان اور بہتر مسلمان بن سکتے ہیں۔

★★★★★★

حکمت عملی

موجودہ دور میں طلبہ کی تربیت: ایک جامع حکمت عملی

اشرف علی

تعارف

موجودہ دور میں طلبہ کی تربیت کا موضوع انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں، طلبہ کو نہ صرف علمی بلکہ عملی، اخلاقی، اور سماجی مہارتوں کی بھی ضرورت ہے۔ اس مضمون میں ہم موجودہ دور میں طلبہ کی تربیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیں گے اور اس کے لیے ایک جامع حکمت عملی پیش کریں گے۔

تعلیمی تربیت

۱۔جدید تعلیمی طریقے:

موجودہ دور میں روایتی تعلیمی طریقے ناکافی ہو سکتے ہیں۔ جدید تعلیمی طریقوں جیسے کہ پروجیکٹ بیسڈ لرننگ، انکوائری بیسڈ لرننگ، اور فلیپڈ کلاس روم کا استعمال کیا جانا چاہیے۔ ان طریقوں سے طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ ملتا ہے۔

۲۔ٹیکنالوجی کا استعمال:

جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے تعلیم کو مزید موثر بنایا جاسکتا ہے۔ آن لائن لیکچرز، ویڈیو ٹیوٹوریلز، اور ای-لرننگ پلیٹ فارمز کے ذریعے طلبہ کو جدید اور معیاری تعلیم فراہم کی جاسکتی ہے۔

۳۔مسلسل جائزہ اور فیڈ بیک:

طلبہ کی تعلیمی کارکردگی کا مسلسل جائزہ لینا اور انہیں مثبت فیڈ بیک دینا انتہائی اہم ہے۔ اس سے طلبہ کو اپنی خامیوں کا علم ہوتا ہے اور وہ بہتری کی کوشش کرتے ہیں۔

اخلاقی تربیت

۱۔اخلاقی تعلیم:

مدارس اور تعلیمی اداروں میں اخلاقی تعلیم کو نصاب کا حصہ بنایا جانا چاہیے۔ اخلاقیات، دیانت داری، اور انسان دوستی جیسے موضوعات پر طلبہ کو تعلیم دی جائے۔

۲۔مثالی کردار:

اساتذہ اور والدین کو خود ایک مثالی کردار پیش کرنا چاہیے تاکہ طلبہ ان کی پیروی کریں۔ بچے اپنے بڑوں سے سیکھتے ہیں، لہذا بڑوں کا کردار اہم ہے۔

۳۔تربیتی ورکشاپس:

مختلف موضوعات پر تربیتی ورکشاپس کا انعقاد کیا جائے جس میں طلبہ کو اخلاقی تربیت اور شخصیت سازی کے اصولوں سے روشناس کرایا جائے۔

عملی تربیت

۱۔انٹرن شپ اور عملی تجربات:

طلبہ کو دوران تعلیم مختلف انٹرن شپ اور عملی تجربات کا موقع فراہم کیا جانا چاہیے تاکہ وہ اپنی تعلیم کو عملی زندگی میں استعمال کرنے کے قابل ہوں

۲۔پراجیکٹس اور ریسرچ:

تعلیمی ادارے طلبہ کو مختلف پراجیکٹس اور ریسرچ کرنے کی ترغیب دیں تاکہ ان کی تحقیقاتی صلاحیتیں نکھریں اور وہ مسائل کو حل کرنے کی مہارت حاصل کریں۔

۳۔ورکشاپس اور سیمینارز:

مختلف موضوعات پر ورکشاپس اور سیمینارز کا انعقاد کیا جائے

جن میں ماہرین اپنے تجربات اور معلومات کا تبادلہ کریں۔

سماجی تربیت

۱۔سماجی سرگرمیاں:

طلبہ کو مختلف سماجی سرگرمیوں میں شامل کیا جائے جیسے کہ کمیونٹی سروس، فلاحی کام، اور دیگر سماجی پروگرامز۔ اس سے ان میں سماجی ذمہ داری کا شعور پیدا ہوگا۔

۲۔گروپ ورک اور ٹیم ورک:

طلبہ کو گروپ ورک اور ٹیم ورک کی اہمیت سکھائی جائے۔ مختلف گروپ پراجیکٹس اور ٹیم ایکٹویٹیز کے ذریعے ان کی سماجی مہارتوں کو فروغ دیا جائے۔

۳۔کمیونیکیشن اسکلز:

طلبہ کو بہترین کمیونیکیشن اسکلز کی تربیت دی جائے تاکہ وہ اپنے خیالات اور نظریات کو موثر طریقے سے پیش کرسکیں۔

نفسیاتی تربیت

۱۔ذہنی صحت:

طلبہ کی ذہنی صحت کا خیال رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ تعلیمی ادارے طلبہ کے لیے کونسلنگ سروسز اور ذہنی صحت کے پروگرامز کا انعقاد کریں۔

۲۔پریشر مینجمنٹ:

طلبہ کو پریشر مینجمنٹ کی تربیت دی جائے تاکہ وہ امتحانات اور دیگر مسائل کا سامنا کرنے کے قابل ہوں۔

۳۔خود اعتمادی:

طلبہ کی خود اعتمادی بڑھانے کے لیے مختلف پروگرامز اور سرگرمیاں ترتیب دی جائیں۔ ان کی کامیابیوں کی تعریف اور حوصلہ افزائی کی جائے۔

نتیجہ

موجودہ دور میں طلبہ کی تربیت کے لیے ایک جامع حکمت عملی کی ضرورت ہے جو تعلیمی، اخلاقی، عملی، سماجی، اور نفسیاتی پہلوؤں کو شامل کرتی ہو۔ اساتذہ، والدین، اور تعلیمی اداروں کا مشترکہ کردار طلبہ کی بہترین تربیت میں اہمیت رکھتا ہے۔ اس حکمت عملی کے تحت طلبہ نہ صرف علمی طور پر بلکہ عملی زندگی میں بھی کامیاب ہوسکیں گے۔

★★★★★★

﴿بقیہ صفحہ ۷۴ کا﴾ ۔۔۔۔۔تکنیکی علوم کی تعلیم میں کمی کی وجہ سے مدارس کے طلباء کو جدید دور کے چیلنجز سے نمٹنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔

مالی مسائل

کئی مدارس مالی مشکلات کا شکار ہیں۔ ان اداروں کی مالی حالت بہتر بنانے کے لیے حکومت اور کمیونٹی کی طرف سے امداد کی ضرورت ہے۔

انتہاپسندی کا مسئلہ

کچھ مدارس پر انتہاپسندی اور فرقہ وارانہ بنیاد پرستی کو فروغ دینے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ الزامات کسی بھی مدرسہ پر لاگو نہیں ہوتے، لیکن اس سے مدارس کی ساکھ کو نقصان پہنچا ہے۔

نتیجہ

ہندوستان میں مدارس کا کردار تاریخی اور تحقیقی اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔ یہ ادارے نہ صرف دینی تعلیم کے مراکز ہیں بلکہ معاشرتی، ثقافتی، اور سیاسی میدان میں بھی اہم خدمات انجام دیتے ہیں۔ تاہم، انہیں جدید دور کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے اور ان کے بارے میں پائے جانے والے منفی تاثرات کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ مدارس کے کردار کو مزید مضبوط کرنے کے لیے ان کی اصلاحات اور جدید تعلیمی نظام کے ساتھ انضمام پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

★★★★★★

طریقہ تعلیم

موجودہ دور میں مدارس اسلامیہ میں طریقہ تعلیم

ابوامامہ ندوی

تمہید

مدارس اسلامیہ نے ہمیشہ اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور دین کی روشنی پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ، مدارس کے طریقہ تعلیم میں تبدیلیاں آئی ہیں اور اب موجودہ دور میں اس نظام میں مزید بہتری کی گنجائش موجود ہے۔ اس مضمون میں، ہم موجودہ دور میں مدارس اسلامیہ کے طریقہ تعلیم کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیں گے۔

تاریخی پس منظر

مدارس اسلامیہ کا نظام تعلیم تاریخ میں ایک مضبوط اور مستحکم نظام رہا ہے۔ یہ نظام تعلیم دینی علوم کی تدریس اور حفظِ قرآن پر مبنی رہا ہے۔ تاریخی طور پر، مدارس نے علماء، فقہاء، اور محدثین کی ایک بڑی تعداد تیار کی ہے جو دین کی خدمت میں مشغول رہے ہیں۔

موجودہ دور کے چیلنجز

آج کے دور میں، مدارس اسلامیہ کو کئی چیلنجز کا سامنا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی، عالمی رابطے، اور مختلف تعلیمی نظاموں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے مدارس کو اپنے طریقہ تعلیم میں جدت لانے کی ضرورت ہے۔ ان چیلنجز میں یہ چیزیں شامل ہیں:

۱۔ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال:

جدید دور میں ٹیکنالوجی کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مدارس کو جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کو اپنے نظام تعلیم میں شامل کرنا چاہیے تاکہ طلباء کو عصرِ حاضر کے مطابق تعلیم دی جا سکے۔

۲۔ عصری علوم کا ادغام:

دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کا ادغام بھی ضروری ہے۔ مدارس کے طلباء کو جدید سائنس، ریاضی، اور سوشل سائنسز کی بنیادی تعلیم دی جانی چاہیے تاکہ وہ دنیاوی معاملات میں بھی مہارت حاصل کر سکیں۔

۳۔ تربیت اور اخلاقیات:

مدارس کے طلباء کی اخلاقی تربیت اور شخصیت کی تشکیل پر خصوصی توجہ دی جانی چاہیے۔ اس کے لیے اخلاقی تعلیمات اور تربیتی پروگرامز کا انعقاد کیا جا سکتا ہے۔

جدید طریقہ تعلیم

موجودہ دور میں مدارس اسلامیہ میں تعلیم کے جدید طریقوں کو اپنانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کے لیے چند اہم اقدامات درج ذیل ہیں:

۱۔ نصاب کی تجدید:

مدارس کے نصاب کو جدید تقاضوں کے مطابق ترتیب دینا چاہیے۔ دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کو نصاب میں شامل کیا جانا چاہیے۔

۲۔ تربیت یافتہ اساتذہ:

مدارس میں تجربہ کار تربیت یافتہ اساتذہ کی ضرورت ہے جو جدید تعلیمی طریقوں سے واقف ہوں اور طلباء کو بہترین طریقے سے تعلیم دے سکیں۔

۳۔ ٹیکنالوجی کا استعمال:

مدارس میں جدید ٹیکنالوجی کا استعمال عام کیا جانا چاہیے۔ آن لائن لیکچرز، ای-لرننگ پلیٹ فارمز، اور ڈیجیٹل وسائل کا استعمال طلباء کی تعلیمی کارکردگی میں بہتری لاسکتا ہے۔

۴۔ تحقیقی کام:

مدارس کے طلباء کو تحقیقی کام کرنے کی ترغیب دی جانی چاہیے۔ تحقیقی مقالے، پروجیکٹس، اور علمی مباحثے ان کی علمی صلاحیتوں میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

عملی اقدامات

مدارس اسلامیہ میں جدید طریقہ تعلیم کو نافذ کرنے کے لیے عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔ چند اہم عملی اقدامات درج ذیل ہیں:

۱۔ اساتذہ کی تربیت:

مدارس کے اساتذہ کی تربیت کے لیے خصوصی ورکشاپس اور تربیتی پروگرامز کا انعقاد کیا جائے تاکہ وہ جدید تعلیمی طریقوں سے واقف ہوسکیں۔

۲۔ ٹیکنالوجی کی فراہمی:

مدارس میں کمپیوٹر لیبز، انٹرنیٹ کنکشن، اور دیگر تکنیکی وسائل کی فراہمی یقینی بنائی جائے۔

۳۔ عصری علوم کی تدریس:

مدارس کے نصاب میں عصری علوم کو شامل کیا جائے اور ان کے لیے ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کی جائیں۔

۴۔ تربیتی پروگرامز:

طلباء کی اخلاقی تربیت اور شخصیت سازی کے لیے تربیتی پروگرامز اور ورکشاپس کا انعقاد کیا جائے۔

نتیجہ

موجودہ دور میں مدارس اسلامیہ میں طریقہ تعلیم میں جدت لانے کی ضرورت ہے۔ جدید تقاضوں کے مطابق نصاب کی تجدید، تربیت یافتہ اساتذہ، اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال مدارس کے طلباء کو بہتر تعلیم فراہم کرنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ مدارس اسلامیہ کو چاہیے کہ وہ اپنے نظام تعلیم میں ان تبدیلیوں کو شامل کریں تاکہ وہ دنیاوی اور دینی دونوں میدانوں میں نمایاں کردار ادا کرسکیں۔

☆☆☆☆☆☆

خوش حال معاشرہ

موجودہ حالات میں اسلام کی رہنمائی

محمد ندیم

اسلام، امن اور سلامتی کا دین ہے جو ہر دور میں انسانیت کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ موجودہ دور میں، جہاں دنیا مختلف چیلنجز سے گزر رہی ہے، اسلام کی رہنمائی پہلے سے زیادہ اہم ہو گئی ہے۔ آج کے معاشرتی، اقتصادی، اور اخلاقی مسائل میں اسلام کے اصول نہایت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

اجتماعی معاشرتی مسائل

آج کی دنیا میں معاشرتی تفریق، نسل پرستی، اور عدم برداشت جیسے مسائل عام ہیں۔ اسلام معاشرتی مساوات اور بھائی چارے کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک سب سے عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے''۔ (الحجرات ۴۹:۱۳) یہ آیت بتاتی ہے کہ انسانوں کے درمیان فرق صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہونا چاہیے نہ کہ نسل یا قومیت کی بنیاد پر۔ اس تعلیم کے ذریعے معاشرتی ہم آہنگی کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

اقتصادی انصاف

موجودہ اقتصادی نظام میں عدم مساوات اور غربت کے مسائل بڑھتے جا رہے ہیں۔ اسلام میں زکوٰۃ اور صدقات کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے تاکہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو سکے۔ زکوٰۃ کے نظام کے ذریعے مالدار افراد اپنی دولت کا ایک حصہ غریبوں کو دیتے ہیں جس سے اقتصادی توازن پیدا ہوتا ہے۔

اخلاقی تربیت

اخلاقی اقدار کی زوال پذیری بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اسلام میں صداقت، امانت، عدل اور انصاف کی تعلیمات پر زور دیا گیا ہے۔ حدیث نبوی ہے '': تم میں سے بہترین وہ ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہیں''۔ یہ تعلیمات انسان کو نیک بناتی ہیں اور اس کے کردار کو سنوارتی ہیں۔ اگر ان اصولوں پر عمل کیا جائے تو معاشرہ اخلاقی لحاظ سے مضبوط ہو سکتا ہے۔

ماحولیاتی مسائل

آج کے دور میں ماحولیاتی آلودگی اور قدرتی وسائل کی بربادی بھی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ اسلام میں فطرت کے تحفظ کی تعلیم دی گئی ہے۔ قرآن میں ہے: ''زمین میں فساد نہ کرو بعد اس کے کہ اس میں اصلاح کی جا چکی ہے''۔ (الاعراف ۷:۵۶) یہ آیت ہمیں فطرت کا احترام کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اسلام میں درخت لگانے، پانی کا ضیاع نہ کرنے اور دیگر قدرتی وسائل کی حفاظت کرنے کی تعلیمات ہیں۔

ذہنی اور روحانی سکون

موجودہ دور میں لوگ ذہنی دباؤ اور روحانی بے چینی کا شکار ہیں۔ اسلام نماز، روزہ، اور ذکر اللہ کے ذریعے انسان کو سکون اور اطمینان فراہم کرتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''بے شک اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے''۔ (الرعد ۱۳:۲۸) نماز اور دیگر عبادات انسان کو روحانی سکون فراہم کرتی ہیں اور اس کے دل و دماغ کو سکون بخشتی ہیں۔

خلاصہ اسلام ایک جامع نظام حیات فراہم کرتا ہے جو انسان کی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ موجودہ دور کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ معاشرتی، اقتصادی، اخلاقی، ماحولیاتی، اور روحانی مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے۔ اگر ہم اسلامی تعلیمات کو اپنائیں تو ایک پرامن اور خوشحال معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔

تاریخی جائزہ

دنیا کی تاریخ میں مسلمانوں کا کردار

محمد مسعود عزیزی ندوی

ابتدائی اسلامی تاریخ

اسلام کی ابتدا اگرچہ دنیا کے پہلے آدمی حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور پھر ہر زمانہ میں اللہ کے پیغمبر اسلامی تعلیمات دیتے رہے مگر اسلام اور اسکی تعلیمات کی تکمیل ۷ ویں صدی عیسوی میں مکہ مکرمہ میں ہوئی، جہاں حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی وحی اور حکم کے ذریعے دین اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات نے عرب معاشرے میں انقلاب برپا کیا۔ حضرت محمد ﷺ کی زندگی اور آپ کے خلفاء راشدین کا دور اسلامی تاریخ کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں نے نہ صرف عرب معاشرے کو اسلامی اصولوں پر استوار کیا بلکہ دنیا کے مختلف حصوں میں اسلامی تعلیمات کو پہنچایا، اور انصاف پسند اور آئیڈیل حکومت قائم کی۔

خلافت راشدہ

خلافت راشدہ کا دور اسلامی تاریخ کا اولین دور ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے خلافت کی۔ یہ دور ۶۳۲ عیسوی سے ۶۶۱ عیسوی تک جاری رہا۔ اس دوران مسلمانوں نے اسلامی فتوحات کے ذریعے بڑے بڑے علاقوں کو فتح کیا اور ان علاقوں میں عدل وانصاف اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حکومت قائم کی۔ حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں مرتدین کے خلاف جنگیں لڑی گئیں اور اسلامی ریاست کو مضبوط کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق کے دور میں مسلمانوں نے شام، مصر، اور ایران کو فتح کیا اور اسلامی ریاست کو ایک بڑی سلطنت میں تبدیل کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا اور مختلف علاقوں میں بھیجا گیا۔ حضرت علیؓ کے دور میں بھی داخلی اور خارجی فتنوں کا سامنا کیا گیا اور اسلامی ریاست کو بچانے کی کوشش کی گئی۔

بنوامیہ کا دور

بنوامیہ کا دور ۶۶۱ عیسوی سے ۷۵۰ عیسوی تک جاری رہا۔ اس دور میں مسلمانوں نے اسپین، شمالی افریقہ، اور ایشیا کے بڑے حصوں کو فتح کیا۔ بنوامیہ کے حکمرانوں نے اسلامی سلطنت کو ایک بڑی امپائر میں تبدیل کیا۔ دمشق کو دارالحکومت بنایا گیا اور وہاں سے حکومت کی گئی۔ بنوامیہ کے دور میں مسلمانوں نے علمی، سائنسی، اور ثقافتی میدان میں بھی بڑی ترقی کی۔ مسلمانوں نے یونانی، فارسی، اور ہندی علوم کو عربی میں ترجمہ کیا اور ان پر تحقیق کی۔ بنوامیہ کے حکمرانوں نے علمی مراکز قائم کیے اور علماء و مفکرین کی سرپرستی کی۔

بنوعباس کا دور

بنوعباس کا دور ۷۵۰ عیسوی سے ۱۲۵۸ عیسوی تک

جاری رہا۔ اس دور میں بغداد کو دارالحکومت بنایا گیا اور وہاں سے حکومت کی گئی۔ بنوعباس کے دور کو اسلامی تاریخ کا سنہری دور کہا جاتا ہے کیونکہ اس دور میں علمی، سائنسی، اور ثقافتی میدان میں بے پناہ ترقی ہوئی۔ بنوعباس کے دور میں مسلمانوں نے یونانی، رومی، اور ہندی علوم کو عربی میں ترجمہ کیا اور ان پر تحقیق کی۔ مسلمانوں نے علمِ ریاضی، فلکیات، طب، فلسفہ، اور دیگر علوم میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اس دور میں بغداد، قاہرہ، اور قرطبہ جیسے شہروں میں علمی مراکز قائم کیے گئے۔

علمی اور سائنسی ترقی

مسلمانوں نے علم و تحقیق کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اسلامی دنیا میں مختلف علمی اور سائنسی مراکز قائم کیے گئے جہاں مسلمان علماء و محققین نے مختلف علوم پر تحقیق کی۔ ان میں سے چند اہم علماء اور ان کے کارنامے درج ذیل ہیں:

۱۔ابن سینا (۹۸۰-۱۰۳۷):

ابن سینا کو طب کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ ان کی کتاب ''القانون فی الطب'' نے صدیوں تک طب کی دنیا میں راہنمائی کی۔

۲۔الخوارزمی (۷۸۰-۸۵۰):

الخوارزمی کو علمِ ریاضی اور الجبرا کا بانی کہا جاتا ہے۔ ان کی کتاب ''کتاب الجبر والمقابلہ'' نے جدید ریاضی کی بنیاد رکھی۔

۳۔البیرونی (۹۷۳-۱۰۴۸):

البیرونی نے فلکیات، جغرافیہ، اور دیگر علوم میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ ان کی کتاب ''کتاب الہند'' ہندوستان کی تاریخ و جغرافیہ پر اہم کام ہے۔

۴۔ابن الہیثم (۹۶۵-۱۰۴۰)

ابن الہیثم کو بصریات کا بانی کہا جاتا ہے۔ ان کی کتاب ''کتاب المناظر'' نے بصریات کے میدان میں نمایاں کام کیا۔

سماجی اور ثقافتی ترقی

مسلمانوں نے سماجی اور ثقافتی میدان میں بھی نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اسلامی دنیا میں مختلف سماجی اور ثقافتی مراکز قائم کیے گئے جہاں مسلمانوں نے مختلف فنون و ثقافت کو فروغ دیا۔ ان میں سے چند اہم کارنامے درج ذیل ہیں:

فن تعمیر:

مسلمانوں نے مختلف اسلامی فن تعمیر کے نمونے پیش کیے جن میں مسجد، مدرسہ، مقبرہ، اور محل شامل ہیں۔ ان میں مسجد الحرام، مسجد النبوی، قصر الحمرا، اور تاج محل جیسی اہم عمارات شامل ہیں۔

۲۔فن خطاطی:

مسلمانوں نے فن خطاطی کو فروغ دیا اور قرآن مجید کی خوبصورت خطاطی کی۔ خطاطی کے مختلف اسالیب جیسے کوفی، نسخ، اور ثلث اسلامی دنیا میں مشہور ہیں۔

۳۔ **ادب:**

مسلمانوں نے عربی ادب کو فروغ دیا اور مختلف ادبی فنون جیسے شاعری، قصیدہ، اور نثر میں نمایاں کام کیا۔ ان میں امام بوصیری، ابن خلدون، اور الفریدی جیسے اہم ادیب شامل ہیں۔

خلافت عثمانیہ

خلافت عثمانیہ کا دور ۱۲۹۹ عیسوی سے ۱۹۲۲ عیسوی تک جاری رہا۔ یہ دور اسلامی تاریخ کا طویل ترین دور ہے جس میں مسلمانوں نے تین براعظموں پر حکومت کی۔ خلافت عثمانیہ کے حکمرانوں نے علمی، سائنسی، سماجی، اور ثقافتی میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ خلافت عثمانیہ کے دور میں مسلمانوں نے مختلف علمی اور سائنسی مراکز قائم کیے جہاں مسلمانوں نے مختلف علوم پر تحقیق کی۔ خلافت عثمانیہ کے حکمرانوں نے تعلیمی ادارے، مساجد، اور مدارس قائم کیے جہاں علم وتحقیق کا فروغ کیا گیا۔

اسلامی فتوحات اور تجارت

مسلمانوں نے مختلف اسلامی فتوحات کے ذریعے دنیا کے مختلف حصوں کو فتح کیا اور وہاں اسلامی تعلیمات کو پہنچایا۔ ان فتوحات کے ذریعے مسلمانوں نے مختلف تہذیبوں کو متاثر کیا اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاشرتی تبدیلیاں کیں۔ مسلمانوں نے تجارت کے ذریعے بھی دنیا کے مختلف حصوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کیا۔ مسلمانوں نے سمندری اور زمینی راستوں کے ذریعے تجارت کی اور مختلف علاقوں میں اسلامی ثقافت کو فروغ دیا۔ مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں اقتصادی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

اسلامی فلسفہ اور فکر

مسلمان فلسفیوں نے اسلامی فلسفہ اور فکر کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اسلامی فلسفہ نے یونانی فلسفہ کو اپنایا اور اس پر تحقیق کی۔ مسلمان فلسفیوں نے مختلف فلسفیانہ مسائل پر غور کیا اور ان کے حل پیش کیے۔

۱۔ **الفارابی (۸۷۲-۹۵۰):**

الفارابی کو اسلامی فلسفہ کا بانی کہا جاتا ہے۔ ان کی کتاب ''آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ'' نے فلسفہ اور سیاسیات کے میدان میں نمایاں کام کیا۔

۲۔ **ابن رشد (۱۱۲۶-۱۱۹۸):**

ابن رشد نے فلسفہ اور فقہ کے میدان میں نمایاں کام کیا۔ ان کی کتاب ''تہافت نے فلسفہ کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔

۳۔ **امام غزالی (۱۰۵۸-۱۱۱۱):**

امام غزالی نے اسلامی فلسفہ اور تصوف کے میدان میں نمایاں کام کیا۔ ان کی کتاب ''احیاء علوم الدین'' نے اسلامی فکر و فلسفہ کو نئی جہت دی۔

اسلامی قانون اور فقہ

مسلمان علماء نے اسلامی قانون اور فقہ کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اسلامی قانون قرآن و سنت پر مبنی ہے اور مسلمانوں کے لئے زندگی کے مختلف

پہلوؤں میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ مسلمان فقہاء نے قرآن وسنت کی روشنی میں مختلف قانونی مسائل کا حل پیش کیا۔

۱۔امام ابوحنیفہ (۶۹۹-۷۶۷):

امام ابوحنیفہ نے فقہ حنفی کی بنیاد رکھی۔ان کی کتاب "الفقہ الاکبر" نے فقہ کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔

۲۔امام مالک (۷۱۱-۷۹۵):

امام مالک نے فقہ مالکی کی بنیاد رکھی۔ان کی کتاب "الموطأ" نے فقہ کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔

۳۔امام شافعی (۷۶۷-۸۲۰):

امام شافعی نے فقہ شافعی کی بنیاد رکھی۔ان کی کتاب "الرسالہ" نے فقہ کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔

۴۔امام احمد بن حنبل (۷۸۰-۸۵۵):

امام احمد بن حنبل نے فقہ حنبلی کی بنیاد رکھی۔ ان کی کتاب "المسند" نے فقہ کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔

اسلامی تعلیم اور ادارے

مسلمانوں نے تعلیمی ادارے قائم کیے جہاں علم و تحقیق کا فروغ کیا گیا۔ اسلامی دنیا میں مختلف تعلیمی ادارے قائم کیے گئے جہاں مسلمانوں نے مختلف علوم پر تحقیق کی۔ ان تعلیمی اداروں نے دنیا کے مختلف حصوں میں علمی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

۱۔جامعہ الازہر (۹۷۰ عیسوی):

جامعہ الازہر قاہرہ میں واقع ہے اور اسلامی دنیا کا ایک اہم تعلیمی ادارہ ہے۔ یہاں مختلف علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۲۔جامعہ القروین (۸۵۹ عیسوی):

جامعہ القروین مراکش میں واقع ہے اور اسلامی دنیا کا ایک قدیم تعلیمی ادارہ ہے۔ یہاں مختلف علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

جامعہ نظامیہ (۱۰۶۵ عیسوی):

جامعہ نظامیہ بغداد میں واقع ہے اور اسلامی دنیا کا ایک اہم تعلیمی ادارہ ہے۔ یہاں مختلف علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اسلامی تمدن اور تہذیب

مسلمانوں نے مختلف تمدن اور تہذیب کو فروغ دیا۔ اسلامی تمدن نے دنیا کے مختلف حصوں میں اثرات چھوڑے اور مختلف تہذیبوں کو متاثر کیا۔ اسلامی تمدن نے مختلف فنون، ثقافت، اور علوم کو فروغ دیا۔

اسلامی ثقافت اور روایات

مسلمانوں نے مختلف ثقافتی اور روایتی سرگرمیوں کو فروغ دیا۔ اسلامی ثقافت میں مختلف روایات اور تہوار

شامل ہیں جو مسلمانوں کی زندگی کا حصہ ہیں۔ اسلامی ثقافت نے دنیا کے مختلف حصوں میں اثرات چھوڑے اور مختلف تہذیبوں کو متاثر کیا۔

۱۔ عید الفطر:

عید الفطر رمضان المبارک کے بعد منائی جاتی ہے۔ یہ مسلمانوں کا اہم تہوار ہے جو روزوں کے اختتام کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔

۲۔ عید الاضحی:

عید الاضحیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ یہ مسلمانوں کا اہم تہوار ہے، حج جیسا اہم رکن بھی اسی دوران ادا کیا جاتا ہے۔

۳۔ ماہ رمضان:

رمضان المبارک مسلمانوں کا مقدس مہینہ ہے جس میں روزے رکھے جاتے ہیں اور عبادات کی جاتی ہیں۔

اسلامی فتوحات اور دنیا پر اثرات

مسلمانوں نے مختلف اسلامی فتوحات کے ذریعے دنیا کے مختلف حصوں کو فتح کیا اور وہاں اسلامی تعلیمات کو پہنچایا۔ ان فتوحات کے ذریعے مسلمانوں نے مختلف تہذیبوں کو متاثر کیا اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاشرتی تبدیلیاں کیں۔

۱۔ اندلس (اسپین):

مسلمانوں نے ۷۱۱ عیسوی میں اندلس کو فتح کیا اور وہاں اسلامی تعلیمات کو پہنچایا۔ اندلس میں مسلمانوں نے علمی، سائنسی، اور ثقافتی میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔

۲۔ شمالی افریقہ:

مسلمانوں نے شمالی افریقہ کو فتح کیا اور وہاں اسلامی تعلیمات کو پہنچایا۔ شمالی افریقہ میں مسلمانوں نے علمی، سائنسی، اور ثقافتی میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔

۳۔ ایشیائے کوچک:

مسلمانوں نے ایشیائے کوچک کو فتح کیا اور وہاں اسلامی تعلیمات کو پہنچایا۔ ایشیائے کوچک میں مسلمانوں نے علمی، سائنسی، اور ثقافتی میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔

اسلامی سماجیات اور معاشرتی تبدیلیاں

مسلمانوں نے مختلف سماجی اور معاشرتی تبدیلیاں کیں۔ اسلامی تعلیمات نے مختلف معاشروں کو متاثر کیا اور ان میں عدل وانصاف، مساوات، اور بھائی چارے کی تعلیمات کو فروغ دیا۔ مسلمانوں نے مختلف سماجی اور معاشرتی مسائل کا حل پیش کیا۔

۱۔ عدل وانصاف:

اسلامی تعلیمات میں عدل وانصاف کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ عدل وانصاف کی بنیاد پر معاشرتی تعلقات کو قائم کرنا اسلامی اخلاقیات کا اہم حصہ ہے۔

۲۔ **احترام:**

والدین، اساتذہ، بزرگوں اور چھوٹوں کا احترام اسلامی تعلیمات میں شامل ہے۔

۳۔ **حیا اور عفت:**

حیا اور عفت ایمان کا حصہ ہیں اور یہ انسان کو برے کاموں سے بچاتے ہیں۔

۴۔ **دیانتداری:**

صداقت اور دیانتداری اسلامی اخلاقیات کے بنیادی اصول ہیں جو معاشرتی تعلقات کو مضبوط کرتے ہیں۔

۵۔ **عفوودرگزر:**

معافی اور درگزر انسان کے دل کو سکون دیتے ہیں اور معاشرتی تعلقات کو بہتر بناتے ہیں۔

اسلامی روحانیت اور تصوف

مسلمانوں نے روحانیت اور تصوف کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اسلامی روحانیت اور تصوف نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے قربت کا راستہ دکھایا۔ مسلمان صوفیاء نے مختلف روحانی اور تصوفی سلسلوں کی بنیاد رکھی۔

۱۔ **حضرت عبدالقادر جیلانی:**

حضرت عبدالقادر جیلانی نے سلسلہ قادریہ کی بنیاد رکھی اور اسلامی روحانیت اور تصوف میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۲۔ **حضرت خواجہ معین الدین چشتی:**

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے سلسلہ چشتیہ کی بنیاد رکھی اور اسلامی روحانیت اور تصوف میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۳۔ **حضرت خواجہ بہاؤالدین محمد نقشبندی:**

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی نے سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی اور اسلامی روحانیت اور تصوف میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۴۔ **حضرت خواجہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی**

حضرت خواجہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد رکھی ، اور اسلامی روحانیت اور تصوف میں نمایا کردار ادا کیا۔

نتیجہ

مسلمانوں کا کردار دنیا کی تاریخ میں انتہائی اہم رہا ہے۔ مسلمانوں نے علمی، سائنسی، سماجی، ثقافتی، اور روحانی میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اسلامی تعلیمات نے دنیا کے مختلف حصوں میں اثرات چھوڑے اور مختلف تہذیبوں کو متاثر کیا۔ مسلمانوں نے دنیا کی تاریخ میں عدل و انصاف، مساوات، بھائی چارے، اور روحانیت کی تعلیمات کو فروغ دیا۔ آج بھی اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کا کردار دنیا کی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اور اسلامی تعلیمات میں دنیا کے ہر چیلنج کا جواب اور رہنمائی موجود ہے۔

☆☆☆☆☆☆

نقطہ نظر

ہندوستان میں مدارس کا کردار

توصیف احمد

ھندوستان میں مدارس کا کردار تاریخی اور تحقیقی نقطہ نظر سے بہت اہم اور گہرا ہے۔ یہ ادارے صدیوں سے معاشرتی، تعلیمی، اور ثقافتی ترقی میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ ان کا جائزہ لینے کے لیے ہم ان کے مختلف تاریخی ادوار اور پہلوؤں پر غور کر سکتے ہیں:

تاریخی پس منظر

ابتدائی دور:- اسلام کی ابتدائی آمد کے ساتھ ہی مدارس کا قیام شروع ہوا۔ یہ ادارے بنیادی طور پر مساجد کے ساتھ منسلک تھے جہاں قرآن، حدیث، فقہ، اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔

مغل دور:- مغل حکمرانوں کے دور میں مدارس کا نظام مضبوط ہوا۔ اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اور اورنگزیب کے دور میں مدارس کو شاہی سرپرستی حاصل ہوئی۔ دار العلوم دیوبند اور مدرسہ عالیہ کلکتہ جیسے معروف مدارس اسی دور میں قائم ہوئے۔

نوآبادیاتی:- دور برطانوی نوآبادیاتی دور میں مدارس نے مختلف چیلنجز کا سامنا کیا۔ انگریزوں نے تعلیمی نظام کو سیکولرائز کرنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں مدارس نے اپنی خودمختاری اور دینی تعلیم کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی۔ اس دور میں دار العلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، اور جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسے ادارے قائم ہوئے۔

تحقیقی جائزہ

تعلیمی کردار

مدارس نے ہمیشہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقیات، فلسفہ، اور عربی زبان کی تعلیم دی۔ انہوں نے اسلامی علوم میں تحقیق و تصنیف کو فروغ دیا۔ مثال کے طور پر دار العلوم دیوبند نے اسلامی فقہ، اصول الفقہ، اور دیگر دینی علوم میں گراں قدر کام کیا۔

اسی طرح دار العلوم ندوۃ العلماء نے فقہ و حدیث، تاریخ، سیرت، اور عربی ادب وغیرہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

سماجی خدمات

مدارس نے یتیم بچوں کی پرورش، غریبوں کی مدد، اور سماجی خدمات کے شعبوں میں اہم کردار ادا کیا۔ ان اداروں نے نہ صرف تعلیم بلکہ صحت، روزگار، اور معاشرتی بہبود کے میدان میں بھی خدمات فراہم کیں۔

ثقافتی حفاظت

مدارس نے اسلامی ثقافت اور روایات کی حفاظت اور فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا۔ انہوں نے اسلامی تہذیب کو زندہ رکھا اور اسے آنے والی نسلوں تک منتقل کیا۔

سیاسی اور سماجی شعور

مدارس نے سیاسی اور سماجی شعور بیدار کرنے میں بھی کردار ادا کیا۔ تحریک خلافت اور آزاد ہندوستان کی تحریک میں مدارس کے طلباء اور اساتذہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

چیلنجز اور مسائل

جدید تعلیم کے تقاضے

مدارس کو جدید تعلیم کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہونے میں مشکلات کا سامنا رہا۔ سائنس اور۔۔۔۔۔ 《بقیہ صفحہ ۷ ۳ پر》

مطبوعات

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

۱-مختصر تجوید القرآن (۲؍روپے)
۲-بچوں کی تمرین التجوید (۲۰؍روپے)
۳-جیب کی تجوید (۱۰؍روپے)
۴-رہنمائے سلوک وطریقت (۳۰؍روپے)
۵-مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (۲۰؍روپے)
۶-مکتوبات اکابر (۵۰؍روپے)
۷-حیات عبدالرشید (۲۰۰؍روپے)
۸-بزرگان رائے پور (۵۰؍روپے)
۹-افکار دل (۲۰۰؍روپے)
۱۰-التدخین بین الشرع والطب (۵۰؍روپے)
۱۱-مقالات ومشاہدات (۶۰؍روپے)
۱۲-اللہ ورسول کی محبت (۲۰؍روپے)
۱۳-امامت کے احکام ومسائل (۶۰؍روپے)
۱۴-مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ (۵۰؍روپے)
۱۵-ساز دل (۱۰۰؍روپے)
۱۶-تصوف اور اکابر دیوبند (۴۰؍روپے)
۱۷-میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام (۵۰؍روپے)
۱۸-ورد دل (۱۰۰؍روپے)
۱۹-سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (۱۰۰؍روپے)
۲۰-حیات شیخ الحدیث (۵۰؍روپے)
۲۱-گذرگاہیں (۶۰؍روپے)
۲۲-عقائد اور ارکان اسلام (۲۰؍روپے)
۲۳-سیرت نبی اکرم ﷺ (۳۰؍روپے)
۲۴-ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ (۷۰؍روپے)
۲۵-تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (۹۰؍روپے)
۲۶-تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ (۱۵۰؍روپے)
۲۷-تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۳۰؍روپے)
۲۸-تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوریؒ (۳۰؍روپے)
۲۹-تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوریؒ (۸۰؍روپے)
۳۰-تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (۳۰؍روپے)
۳۱-تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (۵۰؍روپے)
۳۲-نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالاؒ (۱۰۰؍روپے)
۳۳-کامیابی کے اصول اور اللہ کے مقبول بندے (۳۰؍روپے)
۳۴-چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول (۳۰؍روپے)
۳۵-قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت (۳؍روپے)
۳۶-فقہ حنفی کے مراجع اور انکی خصوصیات (۳۰؍روپے)
۳۷-القادیانیة ثورة علی النبوة المحمدية (۳۰؍روپے)
۳۸-الامامة فی الصلوة ومسائلہا واحکامہا (۸۰؍روپے)
۳۹-ریاض البیان فی تجوید القرآن (۵۰؍روپے)
۴۰-چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (۲۰۰؍روپے)
۴۱-ماں باپ اور اولاد کے حقوق (۳۰؍روپے)
۴۲-لڑکیوں کی اصلاح وتربیت (۳۰؍روپے)
۴۳-اسلام میں پردہ کی اہمیت (۳۰؍روپے)
۴۴-سیرت النبی الاکرمؐ (۳؍روپے)
۴۵-میری والدہ مرحومہ (۴۰؍روپے)
۴۶-دو آب دار موتی (۳۰؍روپے)
۴۷-یتیموں کی کفالت (۳۰؍روپے)
۴۸-التحرير السديد لما للشيخ محمد مسعود العزيزي الندوي من اتصالات واسانيد (۱۰۰؍روپے)
۴۹-الفرائد في عوالي الاسانيد وغوالي الفوائد (۲۰؍روپے)
۵۰-الدر الفريد في اختصار عوالي الاسانيد (۵۰؍روپے)
51- Rules of Raising Funds
52- Beliefs and Pillars of islam (Rs.20)
53- The Laws Pertaining to Imamat (Rs.100)
54- The Rights of Perents and children (Rs.20)
55- Guidelines for Sulook and Tareeqat(Rs.80)
56- Tasawwuf and tha Elders of Deoband (Rs.40)
57-A Biogrophy of the Noblest Nabi (Rs.50)
58- Life Sketch of Hadhrat Thanwi (Rs.40)
59- My Sheikh and Spiritual Guide (Rs.40)
60- Importance of Hijab in islam (Rs.30)

ملنے کا پتہ: مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)
Mob: 09719831058